

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند پہلوؤں پر روشنی

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سندھ سے تعلق

از خطابات

ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ

ادارہ و کتب خانہ

حضرت قاضی غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ہالا قدیم ضلع مٹیاری

6/10/2011

وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین

سیرت النبی ﷺ کے چند پہلوؤں پر روشنی

سیرۃ النبی ﷺ کا سندھ سے تعلق

ازخطابات

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ایم اے ایل ایل بی ، ڈی فل ڈی لٹ وغیرہ

ناشر

ادارہ و کتب خانہ

حضرت قاضی غلام محمد

صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بالا قدیم ضلع مٹیاری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام ---------- سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند پہلوؤں پر روشنی

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سندھ سے تعلق

خطاب -------- ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ایم اے ایل ایل بی، ڈی فل ڈی لٹ وغیرہ

مقام ---------- (۱) سندھ الوجی جامشورو

(۲) بلدیہ حیدرآباد

کوشش وکاوش ------- قاضی شوکت علی قریشی عفی عنہ

اشاعت اول ---------- ۱۴۳۲ھ / ۲۰۱۱

تعداد -------------- ۱۰۰۰

صفحات ------------ ۶۰

قیمت --------------- فی سبیل اللہ

ناشر ---- ------ ادارہ وکتب خانہ حضرت قاضی غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ملنے کا پتہ

ادارہ وکتب خانہ

حضرت قاضی غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ہالا قدیم ضلع مٹیاری

فہرست

بسم الله الرحمن الرحيم

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی
آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓی
اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓی آلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ ۞ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ
عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی آلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓی
آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۞

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض حال

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ پیر جھنڈو جانا ہوا' وہاں موجودہ سجادہ نشین پیر عبداللہ راشدی صاحب سے ملاقات ہوئی' آپ سندھ یونیورسٹی میں ماس کمیونی کیشن کے Professser بھی ہیں۔ باتوں باتوں میں ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر نکلا' اس پر انہوں نے فرمایا کہ ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب جب جام شورو حیدرآباد سندھ یونیورسٹی تشریف لائے تھے تو سندھالاجی میں آپ نے خطاب فرمایا تھا جس میں' میں بھی شریک ہوا تھا۔ اس میں انہوں نے غالبا یہ فرمایا تھا کہ عربی کے بعد سندھی مقدس زبان ہے' کیونکہ آنحضرت ﷺ نے سندھی زبان کے الفاظ فرمائے تھے۔

اس کے بعد مجھے تجسّس ہوا کہ کس طرح یہ خطبہ حاصل کیا جائے' میں نے فون پر سندھالوجی کے ڈائریکٹر شوکت حسین شورو صاحب سے رابطہ کیا' تو انہوں نے فرمایا کہ میں معلوم کرکے آپ کو اطلاع دوں گا۔ پھر رابطہ کرنے پر فرمایا کہ ہمارے پاس ان کا خطبہ محفوظ ہے' لیکن پرنٹ کی صورت میں نہیں' کیسٹ کی صورت میں ہے' طے یہ ہوا کہ کوئی آدمی آئے اور لے جائے۔ اس موقعہ کو غنیمت اور اپنی سعادت سمجھتے ہوئے میں خود سندھالوجی گیا' اور شوکت شورو صاحب سے وہ کیسٹ (دو میں ایک خطبہ اور تیسری میں دوسرا) حاصل کیں۔ شوکت صاحب سے دیرینہ تعلق اور رفاقت رہی تھی' اس لئے ان سے حجت اور محبت کا تعلق تھا' اس کو نبھاتے ہوئے میرے لئے حاصل کرنا آسان بنادیا۔

حصول کے بعد ٹیپ پر ڈاکٹر صاحب کی آواز بھی سنی' اور خطبہ بھی' عجیب خوشی اور سرور حاصل ہوا۔ مولوی عبداللہ صاحب سے ذکر کیا اور ان کے سپرد کیا گیا کہ ان کیسٹوں کے خطاب کو کاغذ پر قلم بند کیا جائے۔ الحمدللہ نوے فیصد کام ہو گیا' ابھی دس فیصد کام رہتا تھا تو نظر انتخاب مولوی احمد سنائی صاحب پر نظر پڑی۔ انہوں نے اپنی سعادت دارین سمجھتے ہوئے' دوبارہ کیسٹ کی سماعت کی' تصحیح کی' تصدیق کی' اور دوبارہ اس کی کمپیوٹر کے ذریعے کمپوز کیا اور الحمدللہ کافی دنوں کی محنت شاقہ کے بعد آخری مسودہ کمپوز ہو کر میرے پاس لایا

گیا مولوی صاحب کے لیے دل سے دعائیں نکلیں کہ ایک سال کی مدت کے طویل سفر کے بعد یہ سعادت پایہ تکمیل کو پہونچی۔

جب پندرھویں صدی کا آغاز ہوا تو ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آمد سے پاکستان کی سرزمین جگمگا اٹھی۔ پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں ڈاکٹر صاحب کے خطابات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

جناب عبدالقیوم قریشی صاحب وائس چانسلر آف اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کی دعوت پر اسلامیہ یونیورسٹی میں ۸ مارچ ۱۹۸۰ء میں تشریف لائے۔ جہاں پر بھی حضرت کے لیکچرز ہوئے' جو کہ خطبات بہاولپور کے نام سے شایع بھی ہو چکے ہیں۔

اسی طرح کراچی میں تشریف لانے کے بعد حیدرآباد بھی ڈاکٹر صاحب کی آمد ہوئی' جہاں پر انہوں نے دو خطاب ارشاد فرمائے' جو کہ قارئین کی خدمت میں حاضر ہیں' جو کہ حضرت کی شان عبقریت پر عینی گواہ ہیں۔ جن میں سے پہلا خطاب سندھ ہالوجی جامشورو میں ارشاد فرمایا گیا' اور دوسرا حیدرآباد بلدیہ میں ارشاد فرمایا۔

(اللہ تعالیٰ جمیع امت محمدیہ ﷺ کے لئے سعادت دارین کا ذریعہ بنائے! آمین)

قاضی شوکت علی قریشی

ساکن ہالا قدیم (حیدرآباد)

مختصر حالات

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب ۱۶ محرم الحرام ۱۳۲۶ھ بمطابق ۱۹ فروری ۱۹۰۸ء کو حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئے، وہیں پلے بڑھے اور لکھے پڑھے۔ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن سے ایم۔اے۔ ایل۔ ایل۔ بی کیا۔ مزید تعلیم کے لیے برن یونیورسٹی (جرمن) سے اسلام کے بین الاقوامی قانون پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈی فل کی ڈگری حاصل کی، اور سوربن یونیورسٹی (پیرس) سے عہد نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ میں اسلامی سفارت کاری پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹر آف لیٹرز کی سند حاصل کی۔ ڈاکٹر صاحبؒ کچھ عرصہ عثمانیہ یونیورسٹی میں پروفیسر رہے۔ (سقوط دکن کے بعد) آپ یورپ میں جرمنی اور فرانس کی یونیورسٹیوں میں بھی پروفیسر رہے۔ فرانس کے نیشنل سینٹر آف سائنٹیفک ریسرچ سے بیس سال منسلک رہے۔ اسکے علاوہ یورپ وایشیا کی کئی یونیورسٹیوں میں آپ کے مقالات اور خطبات کا سلسلہ جاری رہا۔

ڈاکٹر صاحبؒ اردو، عربی، فارسی انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اطالوی زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ آپ نے مختلف زبانوں میں اسلام کی حقیقی تعلیم" اور پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت طیبہ سے متعارف کرانے کے لئے سینکڑوں مقالات اور متعدد کتابیں لکھیں۔

1. فرانسی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ
2. فرانسی زبان سیرت پاک دو جلدوں میں
3. انگریزی زبان میں محمد رسول اللہ ﷺ
4. The Battle Fields Of Prophet Muhmammed
5. The Muslim Conduct Stare
6. The First Written Constitutions
7. الوثائق السیاسیہ العہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ
8. رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی
9. عہد نبوی میں نظام حکمرانی

قابل ذکر تصانیف ہیں۔ مزید فاضلانہ تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

1. قانون بین الممالک کے اصول اور نظیریں Islamic
2. International law

حدیث میں قدیم ترین صحیفہ کا حاصل ہونا اور شایع کرنا

(یہ عہد صحابہؓ میں دریافت کیا ہوا تھا)

1. صحیفہ ابن ہمام بن منبہؒ (یہ صحیفہ برلن میں دریافت ہوا)

خدمت قرآن

1. القرآن فی کل لسان ایک سو بیس زبانوں میں قرآن پاک کا تراجم کا تذکرہ

اس کتاب میں ہر زبان کا سورہ فاتحہ کا ترجمہ شایع کیا گیا' نمونہ کے طور پر۔

1. امام بخاریؒ کی جامع صحیح بخاری کا مکمل اشاریہ ترتیب دیا گیا'۔

مزید اردو میں شایع ہونے والی کتابیں مندرجہ ذیل ناموں سے شایع ہوئیں۔

1 عہد نبوی ﷺ کے میدان جنگ
2 عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی
3 عہد نبوی ﷺ کا نظام تعلیم
4 امام ابو حنیفہؒ کی تدوین قانون سازی
5 خطبات بہاولپور
6 ترجمہ مقالات گارساں دتاسی

اردو تراجم کتابوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

1. سیاسی وثیقہ جات (اردو ترجمہ الوثائق السیاسیہ للعہد النبوی ﷺ والخلافۃ الراشدۃ)

مترجم ابو یحییٰ خان امام (ڈاکٹر صاحب اس ترجمہ کو ناقص قرار دیتے تھے)

1. محمد رسول اللہ ﷺ Muhammed Rasool-ul-All انگریزی تصنیف

اردو مترجم نذیر حق (ڈاکٹر صاحب اس کو بھی معتبر نہ سمجھتے تھے۔)

2. سیرۃ ابن اسحاقؒ ترتیب: ڈاکٹر محمد حمید اللہ خان صاحب

مترجم اردو نور الاہی ایڈوکیٹ

تقریباً ۴۱ سال فرانس میں مقیم رہے' ۱۸ دسمبر ۲۰۰۲ء میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

روز نامہ منصف حیدر آباد دکن مؤرخہ ۷ دسمبر ۲۰۰۲ء کا مبصر آپ کے آثار پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ڈاکٹر صاحب کی طبیعت میں بلا کی سادگی تھی' ان کی وضع قطع مشرقی' اور طرز رہائش اور بود و باش قدیم عالموں کی طرح سادہ اور منکسرانہ تھا۔ وہ صاف اور سادہ لباس پہنتے' اسری اور کلف کے قائل نہ تھے۔ برہنہ سر کبھی نہ ہوتے' ہمیشہ باوضو رہتے' انکی عادات و اطوار بزرگان دین اور صحابہ کرامؓ کا نمونہ تھی۔ انہیں دیکھنا گویا علم کو مجسم شکل میں دیکھنا تھا' وہ ایک کھلی کتاب تھے۔ سر تا پا انہماک اور سر تا پا صداقت' وہ سچے عالم دوست اور سچے علم با عمل تھے' وہ علم و تقویٰ قناعت و سادگی میں سلف کی مثال تھے۔ قناعت کا یہ عالم کہ شاہ فیصل ایوارڈ سے معذرت کرلی' اور پاکستان ھجرہ ایوارڈ کی دس لاکھ روپے ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کے کتب خانہ کو عطیہ کردیے۔ اب یہ کتب خانہ ڈاکٹر حمیداللہ لائبریری کے نام سے موسوم ہے۔ اسی طرح سیرت ابن اسحاقؒ پر نقوش ایوارڈ برائے ۱۹۸۵ء قبول کرنے سے معذرت کرلی۔ ان کی قناعت کی اور بھی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

یہ دبلا پتلا شخص اتنا سخت جان واقع ہوا تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے سفر ہجرت کی تحقیق میں پا پیادہ' گھوڑے اور اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھ کر راستے پر عملاً سفر کیا' جس راستے پر آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی تھی۔

بلند اخلاقی کا یہ مقام کہ اپنے مضامین کو کتابی صورت میں شائع کرنے کے لیے بھی ناشر کی اجازت ضروری گردانتے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی کی عرض مؤلف میں رقم طراز ہیں کہ جن رسالوں میں یہ مضامین نکلے ہیں' ان کی اجازت حاصل کرنی اخلاقی طور پر ضروری ہے' حالات نے اس کا موقعہ نہ دیا لیکن مجھے امید ہے کہ نیک کام اور از دیار نفع عام کو وہ بھی خوشی سے منظور کرتے ہیں۔

صابر ایسے تھے کہ ایک روز بینک سے رقم لینے گئے تو معلوم ہوا کہ ان کا اکاؤنٹ خالی ہے' کسی شخص نے انکی دستخطوں میں مہارت حاصل کی' اور جعلی دستخط کر کے ساری رقم نکلوالی' ڈاکٹر صاحب نے کسی سے اس بات کا ذکر تک نہ کیا۔ روزمرہ کی ضروریات کے لیے بھی ان کے پاس رقم نہ تھی' انہوں نے فیصلہ کیا کہ اگلے ماہ پینشن آنے تک نہ وہ کچھ

نہ کھائیں گے 'اور محض پانی وغیرہ پر گذارہ کریں گے 'ایک روز مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے ان پر نقاہت کا غلبہ ہوا 'اور وہ گر پڑے 'ہسپتال پہنچایا گیا تو معلوم یہ ہوا کہ کئی روز سے فاقہ سے تھے۔ بعد ازاں انکے بھتیجے عطاء اللہ کی صاحبزادی سدیدہ انیس اپنے ہمراہ لے گئی۔

ڈاکٹر حمیداللہ صاحبؒ کی تمام زندگی اشاعت علم نافع میں مصروف رہنے کے بعد ۱۷ دسمبر ۲۰۰۲ء کو امریکی ریاست فلوریڈا کے مشہور شہر JacksonVill میں صبح گیارہ بجے نیند کی حالت میں انتقال فرما گئے۔ آپ نماز فجر کے بعد سوئے تھے 'اور اسی حالت میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا' اس وقت آپ کی عمر ۹۵ برس تھی۔ آپ کی نماز جنازہ امریکی نژاد دانشور ڈاکٹر یوسف ضیاء کواک جی نے پڑھائی' جو شمالی ٹیکساس کے اسلامک ایسوسی ایشن کے امام ہیں۔ ۱۸ دسمبر ۲۰۰۲ء کو ڈیڑھ بجے Chapal Hill قبرستان میں ان کی تدفین ہوئی۔

ان گذارشات کے بعد جی چاہتا ہے کہ ڈاکٹر صاحبؒ کا ذکر خیر ان کے اس زرین قول پر ختم کیا جائے جو علم کے حوالے سے ہمارے لیے مشعل راہ ہے :

"انسان کی بیشتر زندگی علم سیکھنے میں گذر جاتی ہے

جب سمجھنے کا وقت آتا ہے تو اس خاکدان میں چلا جاتا ہے" ۔ (مجلّہ عثمانیہ ص ۵۵)

ایک بہت بڑے دانشور فرماتے ہیں کہ عالم اسلام کے ایک بطل جلیل ڈاکٹر حمیداللہ صاحبؒ ایک بلند پایہ عالم دین' مایہ ناز محقق' دانشور' اور مصنف تھے جن کے قلم حقیقت رقم سے علوم قرآنیہ ' سیرت نبویہ' اور فقہ اسلام پر ۱۶۵ وقیع کتابیں ' اور ۹۳۵ کے قریب مقالات نکلے۔ یہ علمی سرمایہ اسلام کے متنوع موضوعات کا احاطہ کرتا ہے۔

ڈاکٹر حمیداللہ صاحبؒ نے اپنی پوری زندگی تصنیف و تالیف کے کاموں کے لیے وقف کیے رکھی' بالآخر ۹۵ برس کی عمر پاکر یہ مرد قلندر مورخہ ۱۷ دسمبر ۲۰۰۲ء کو فلوریڈا (امریکہ) راہیٔ ملک بقا ہوا۔ (محمد عالم مختار حق)

قاضی شوکت علی

ساکن ہالا قدیم (حیدرآباد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سندھالوجی میں خطاب

محترم وائس چانسلر صاحب/محترم اساتذہ عزیز طلباء !
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وآلہ وصحبہ اجمعین !

یہ میرے لیے بڑے شرف کا باعث ہے کہ آپ نے مجھے اس مبارک تقریب میں حصہ لینے کا موقع دیا اور سیرت النبی ﷺ جیسے وسیع اور ناپیدہ کنار سے چند پہلوؤں پر آپ سے کچھ عرض کرنے کی فرمائش کی گئی ہے۔ میں اس کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھتا ہوں' سندھ میں اس کا اجتماع بہت سی پرانی چیزیں یاد دلاتا ہے' اگر مجھے سندھی زبان آتی تو یقیناً سندھی زبان ہی میں آپ سے مخاطب ہوتا' کیونکہ شاید یہ وہی زبان ہے جو ہمالیہ سے لیکر براعظم میں سب سے پہلے اسلام سے متعارف ہوئی ہے۔ اور پھر یہیں سے سارے براعظم میں اور اسکے بعد دور دور تک اسلام پھیلتا چلا گیا ہے' میرے پاس وقت نہیں ہے کہ میں اسکی ساری تفصیلوں میں جاؤں۔

آپ ﷺ کم از کم سندھیوں سے واقف ہوئے تھے

سیرت النبی ﷺ کے سلسلہ میں دو ایک چیزیں یاد آتی ہیں' جن کا تعلق سندھ سے ہے' اس کا ذکر کرنے کے بعد میں پھر کچھ اور چیزیں آپ سے عرض کروں گا۔ پہلی چیز وہ ہے جس کا تعلق سیرت محمدی ﷺ سے ہے' سیرت النبی ﷺ سے نہیں' یعنی جب حضور اکرم ﷺ ابھی مبعوث نہیں ہوئے تھے' اس وقت اس کا پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کم از کم سندھیوں سے واقف ہوئے تھے' سندھیوں سے مل چکے تھے چاہے سندھ تشریف لانے کا آپ ﷺ کو موقع نہ ملا ہو' ممکن ہے کہ سندھ بھی تشریف لائے ہوں' اس زمانے کیلئے وہ ناممکن نہیں تھا' لیکن اس کا پتا چلتا ہے کہ غالباً میں کہتا ہوں' ۱۰۰ فیصد یقین سے نہیں کہ سندھیوں سے آپ ﷺ ملے تھے۔

اولاً سندھ کے سفر کا امکان

اس سے سب لوگ واقف ہیں کہ جو سیرت النبی ﷺ کی کتابیں پڑھتے ہیں کہ حضور ﷺ شام تشریف لے گئے تھے دو مرتبہ' اسی طرح اسکا بھی ذکر ہمارے مؤرخ کرتے ہیں کہ آپ یمن بھی گئے تھے کم از کم دو مرتبہ' اور اس کا بھی ہمارے پاس قطعی ثبوت موجود ہے کہ آپ عرب کے مشرق میں بحرین اور عمان کے علاقے میں بھی ایک مرتبہ تشریف لے گئے تھے' اور اس کا میں ابھی آپ سے ذکر کروں گا۔ اس کا امکان ہے کہ آپ ﷺ حبشہ تشریف لے گئے ہوں اگرچہ کہ اس کا قطعی ثبوت نہیں' اس کی وجہ یہ ہے ایک استنباط کے طور پر آپ سے عرض کرتا ہوں کہ وقتاً فوقتاً رسول اکرم ﷺ نے حبشی زبان کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ حبشہ سے مہاجرین مکہ واپس تشریف لائے' تو ایک چھوٹی بچی سے جو وہیں پیدا ہوئی تھی' حبشی زبان بولتی تھی' حضور اکرم ﷺ نے چند الفاظ حبشی زبان میں اس سے کہے تھے' اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کوئی شخص کسی زمانے میں اس ملک کو گیا ہو' باوجود مسافر ہونے کے بھی چند الفاظ اس کے ذہن میں رہ جاتے ہیں محفوظ' اور وہ ان کا وقتاً فوقتاً استعمال کر سکتا ہے' مزید تائیدی دلیل اس سے ملتی ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے نجاشی کو انتخاب کیا کہ مکہ کے مصیبت زدہ مسلمان ترک وطن کر کے اس کے ملک میں جا کر پناہ گزین ہوں ہجرت مدینہ سے پہلے' تو خط بھیجا نجاشی کے نام' اس میں لکھا تھا کہ "میرا چچازاد بھائی جعفر بن ابی طالب آرہا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ' ان کی مہمان نوازی کر! تو یہ جو ایک طرح کے قریبی تعلقات کے الفاظ استعمال کیے ہیں کہ "جب وہ آئے تو ان کی مہمان نوازی کر" یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب پہلے سے ملاقات رہی ہو۔ تو ان چیزوں سے استنباط کیا جا سکتا ہے کہ شاید حضور اکرم ﷺ حبشہ جا چکے ہوں' جب اتنے ممالک کا آپ سفر کر چکے تھے تو کوئی تعجب نہیں کہ حضور ﷺ ہندوستان اور سندھ بھی آئے ہوں تجارت کے سلسلے میں' بہر حال اس مختصر تمہید کے بعد وہ چیز عرض کرنی ہے کہ حضور ﷺ کی ملاقات سندھیوں سے کب اور کیسے ہوئی تھی؟ اولاً میں مشرقی عرب جانے کا ذکر کرتا ہوں کیونکہ وہیں سے آپ ملاقات کر سکتے ہیں یا سندھ جا سکتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کی ملاقات سندھیوں سے!

مسند احمد ابن حنبل میں، جو مشہور حدیث کی کتاب ہے، اور ابن حنبل رحمہ اللہ علیہ وہ شخص ہیں جو امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد ہیں، انہوں نے کوئی دو صفحوں کی طویل حدیث میں بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ عبد القیس کے لوگ مدینہ آئے اسلام قبول کرنے کے لیئے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے مختلف چیزیں دریافت فرمائیں کہ فلاں شہر کہ ابھی موجود ہے؟ فلاں سردار؟ فلاں شخص کیا ابھی زندہ ہے؟ تو اس طرح کے سوالات پر وہ لوگ حیرت زدہ ہوگئے، کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہمارے ملک اور ہمارے آدمیوں سے اس سے زیادہ واقف معلوم ہوتے ہیں جتنے ہم خود ہیں یہ کیسے ممکن ہوا؟ اس پر مسند احمد ابن حنبل میں رسول اللہ ﷺ کا جواب ہے، وہ یہ ہے کہ میں وہاں گیا ہوں بہت دن تک اس سر زمین کو میرے پاؤں روندتے رہے ہیں، "قلعہ مشقر" کی چابیاں میں نے حاصل کیں، اور "چشمہ زاراہ" پر بھی میں کھڑا ہوا، یہ سب مقام اب بھی موجود ہیں، مشقر بھی ہے، اور زاراہ بھی موجود ہے مشرقی عرب میں، اس مقام پر جہاں آج کل پیٹرول کے چشمے بہہ رہے ہیں، یہ گویا وہ تذکرہ ہے مشرقی عرب جانے کا، جسے مسند امام احمد بن حنبل جیسی مستند کتاب میں بیان ہوا ہے۔ وہاں کیوں گئے تھے؟

حضور اکرم ﷺ کو موقع ملا تھا
کہ سندھیوں کو دیکھیں!

اس کا ایک دوسری روایت سے ہمیں پتا چلے گا، اور یہ حدیث کی کتابوں میں نہیں، تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ ابن حبیب ایک بڑا مشہور مؤرخ گذرا ہے، ۲۴۵ھ میں اس کی وفات ہوئی ہے، اس کی کتاب المحبر میں "عرب کے میلے"، اس نام کا ایک باب ہے ان میلوں کے سلسلے میں جو ہر سال کے بعد لگا کرتے تھے، وہ بیان کرتا ہے کہ عرب کے مشرق میں بداء نامی ایک مقام ہے یہ اب بھی موجود ہے، یونائیٹڈ عرب ایمریٹس میں فجیرہ نامی بندرگاہ کے شمال میں موجود ہے، لکھا ہے کہ دبا میں سالانہ میلہ فلاں تاریخ کو ہوتا تھا اس میں فلاں فلاں قسم کا سامان فروخت کے لیئے آتا تھا، اور اس میں شرکت کرنے والے ہندی، سندھی، چینی، رومی، ایرانی، مشرق والے، مغرب والے ہوتے تھے۔ یہ الفاظ ہیں جو میں

نے بجنسہ آپ کو ترجمہ کر کے سنایا ہے' اس میں سندھ کا لفظ صراحت سے آتا ہے' اس واقعے سے گمان کیا جا سکتا ہے کہ غالباً رسول اکرم ﷺ اپنی بیوی حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت لیکر اس بڑے میلے میں شرکت کے لیے تشریف لائے ہونگے' اور وہاں چینیوں سے بھی ملے ہوں گے' سندھیوں سے بھی ملے ہوں گے اور دیگر لوگوں سے بھی۔ ایک Digeretion کے طور پر میں عرض کرتا ہوں کہ مشہور حدیث علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے' چاہے چین ہی جانا پڑے' علم سیکھو چاہے چین ہی جانا پڑے۔ غالباً اس کی وجہ یہی ہو گی کہ رسول اللہ ﷺ نے "بدا" کے بازار میں چینی تاجروں کے پاس ان کا پیش کردہ سامان دیکھا ہو گا' چینی ریشم' چینی پورسلین اور خدا جانے کیا کیا وہ چیزیں لائے تھے۔ اور اس سے آپ ﷺ متاثر ہوئے تھے کہ اتنی اچھی صنعت ان کے ملک میں ہے۔ چنانچہ ایک عام ارشاد ہوا علم سیکھو! چاہے چین جیسے دور دراز ملک ہی میں کیوں نہ ہو' غالباً پوچھا ہو گا کہ تم کتنے دور سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا ہو گا کہ ہم دو مہینے چل کر آئے ہیں اس زمانے میں ریلیں اور ہوائی جہاز تو تھے نہیں۔ اس واقعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو موقع ملا تھا کہ سندھیوں کو دیکھیں۔ ممکن ہے کہ اور آگے جا کر سندھ میں تجارت کیلئے تشریف لے گئے ہوں۔ اسی تذکرہ میں آپ نے ابھی سنا ہے کہ ہند کا بھی لفظ ہے' ہندوستانیوں کا بھی' اس کا بعد میں ایک اور حدیث میں ہمیں ثبوت ملتا ہے۔ ایک دن کچھ لوگ دور سے آئے مدینہ اسلام قبول کرنے کے لئے' رسول اللہ ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستانیوں کے سے نظر آتے ہیں؟ یہ بعینہ الفاظ ہیں حدیث میں' اور یہ وہی شخص کہہ سکتا ہے' جس نے ہندوستانیوں کو دیکھا ہو اور ہندوستانیوں کے لباس کو بھی۔ وہ تھے یمن کے ایک قبیلہ کے لوگ جو مسلمان ہونے کے لیے آئے تھے۔ اس طرح ایک چیز جو میں آپ سے عرض کرنا چاہتا تھا سندھ کے سلسلے میں! وہ یہ ہے کہ سیرت محمدی ﷺ میں' سیرت النبی ﷺ سے قبل' آپ کے نبی بننے سے قبل سندھ کا ذکر آتا ہے۔ دوسری چیز سیرت النبی ﷺ کے سلسلے میں آئے گی' وہ یہ ہے کہ ہر شخص کو ایک خاص موضوع سے دلچسپی ہوتی ہے' اور مجھے رسول اکرم ﷺ کی سیاست خارجہ ڈپلوموسی سے دلچسپی رہی۔ اسی پر میں نے کام کیا' کتابیں بھی شائع کیں' اور علمی ڈگریاں بھی حاصل کیں۔ اس طرح کی قدیم ترین کتاب مجھے سندھ کے سلسلے میں ملتی ہے۔ ابو

جعفر الدیبلی ایک پرانے مؤلف ہیں' انہوں نے مکتوبات نبویہ ﷺ کا ایک مجموعہ مرتب کیا ہے مختلف بادشاہوں' قبیلے کے سرداروں کے نام' جو الحمدللہ! اب تک محفوظ ہے' ابن طولون کی اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین میں ضمیمہ کے طور پر شامل ہے' کچھ عرصہ قبل وہ دمشق میں شائع بھی ہو چکی ہے۔ اس طرح آپ دیکھتے ہیں سیرت النبی ﷺ کا تعلق سندھ سے بڑا قدیم ہے۔

عربی زبان قیامت تک کیلئے سارے مسلمانوں کی مادری زبان ہے!

اس کے بعد ایک چیز میں اور عرض کروں گا' مجھے آپ معاف فرمائیں! وہ یہ ہے کہ دنیا میں بہت سی زبانیں ہیں' ہر شخص کو اپنی زبان عزیز ہوتی ہے' یقیناً آپ کو سندھی زبان عزیز ہوگی' لیکن ایک چیز نہ بھلایئے گا! وہ یہ ہے کہ امہات المؤمنین رسول اکرم ﷺ کی زوجات مطہرات ہماری ماں ہیں' ام المؤمنین کے نام سے جن کو یاد کرتے ہیں' جب وہ ہماری ماں ہیں' تو ان کی زبان ہماری مادری زبان ہو گی' لہٰذا عربی زبان آپ کے لئے اجنبی نہیں ہونی چاہیے' عربی زبان سارے مسلمانوں کی قیامت تک کے لئے مادری زبان ہے۔ اور اس کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ نہ یہ صرف ہماری مادری زبان ہے بلکہ ہمارے دین کا ایک ذخیرہ بھی اسی کے اندر میں ہے' قرآن بھی اسی میں ہے' حدیث بھی اسی کے اندر ہے' ہماری ابتدائی دینی کتابیں فقہ وغیرہ کی سبھی اسی میں ہیں۔ اور اپنی مادری زبان سے دلچسپی رکھتے ہوئے اسکو سیکھتے ہوئے اس پر عبور رکھتے ہوئے اور اس کو علم سے مالا مال کرتے ہوئے بھی' ہم میں سے ہر شخص کا' چاہے کسی ملک کا کیوں نہ ہو' اسکا فریضہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنی مادری زبان بھی یعنی عربی سے بھی تعلق رکھے۔

وہ ہمارے لئے ایک نمونہ عمل اور قابل تقلید چیز ہیں

سیرت النبی ﷺ ایک بہت وسیع موضوع ہے' جس کی وجہ یہ ہے کہ اور انبیاء علیہم السلام کے برخلاف ہمارے نبی ﷺ کو خدائے تعالیٰ نے آخری نبی بنا کر بھیجا اور ساتھ ہی یہ کہا کہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ: وہ ہمارے لئے ایک نمونہ عمل اور قابل

تقلید چیز ہیں۔ یہ عام الفاظ میں بیان ہوا ہے اس لئے آپ اسوۃ حسنہ ہیں ایک بادشاہ کے لئے بھی' فقیر کے لئے بھی' مالدار کے لئے بھی' مفلس کے لئے بھی' بڑے کے لئے بھی' بوڑھے کے لئے بھی' تاجر کے لئے بھی' طالب علم کے لئے بھی' ہر ایک شعبہ حیات میں آپ ﷺ ہمارے لئے ایک نمونہ عمل ہیں' یقیناً طلباء کے لئے اور کسی درسگاہ علمی کے افراد کے لئے بھی وہ اسوۃ حسنہ ہیں۔

کتنی ولولہ انگیز چیز ہے کہ ایک اُمی شخص ﷺ کا لکھنا!

اس لحاظ سے میں کچھ تو آپ ﷺ کی علمی زندگی کے سلسلے میں یا علم کے متعلق آپ ﷺ کے احکام کے سلسلہ میں بعض چیزیں عرض کروں گا اور کچھ اور چیزوں کے متعلق جن سے انسان ششدر ہو جاتا ہے۔ کتنی ولولہ انگیز چیز ہے کہ ایک اُمی شخص ﷺ کو لکھنا پڑھنا بالکل نہیں آتا تھا' سب سے پہلا حکم جو وحی کے ذریعے ملتا ہے وہ یہ ہے کہ اقراء! پڑھ! اور دینی کتابیں بھی موجود ہیں توریت' انجیل' آغشتہ' وید' فلاں' فلاں' کسی میں علم کی یہ عزت افزائی نہیں کی گئی ہے' جو قرآن مجید میں ہوئی ہے۔ سب سے پہلی وحی اقرا کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے' اور پھر اس کے بعد ہی دو تین سطر نیچے بعد کی آیتوں میں قلم کی تعریف کی گئی ہے "علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم" یعنی قلم ہی وہ واسطہ ہے جس سے انسان ان چیزوں کو سیکھتا ہے جو اسے معلوم نہیں ہوتی ہیں' ہمارے اجداد کی معلومات اگر قلم نہ ہوتا تو مدون صورت میں ہم تک نہ پہنچتیں' اور ہم ان سے استفادہ نہ کرتے' علم کی ترقی اسی وقت ہو سکتی ہے جب پرانی معلومات سے ہم واقف ہوں اور اس میں اپنی طرف سے اضافہ کر سکیں' اس حکم کے ملنے پر رسول اکرم ﷺ نے ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال نہیں دیا' بلکہ ساری عمر اس پر عمل فرماتے رہے۔ میرا اپنا اندازہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اس حکم آنے کے بعد کچھ لکھنا بھی سیکھ لیا' خطاط نہیں بنے لیکن بہر حال کچھ لکھنا پڑھنا سیکھ لیا کیونکہ جو آپ ﷺ دوسرے کو حکم دیتے تھے اس پر پہلے خود عمل کرتے تھے' یہ نہیں کہ دوسروں کو حکم دیں اور اپنے آپ کو اس سے مستثنیٰ سمجھیں' یہ آپ ﷺ کا طرز عمل ہمیشہ رہا ہے' اس استنباط کی وجہ وہ مشہور حدیث ہے جو صلح حدیبیہ کے سلسلہ

میں‘ خود آپ میں سے ہر شخص پڑھ چکا ہو گا‘ معاہدہ ہوا مشرکین مکہ سے حدیبیہ میں‘ اور پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے املاء کروایا‘ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حکم دیا کہ لکھو! اس میں بہت سے قصے آتے ہیں‘ جن کی ابتداء اس طرح ہوئی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور سہیل ابن عمرو کے درمیان معاہدہ ہوا ہے۔ تو سہیل ابن عمرو جو قریش کا نمائندہ تھا‘ وہ فوراً ٹوکتا ہے کہ نہیں! اگر میں تمہیں رسول اللہ مانتا تو تم سے جنگ کبھی نہیں کرتا‘ اپنا نام لکھو! کیا تمہیں اپنے باپ کے نام پر شرم آتی ہے؟ طعن بھی کیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فوراً حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ محمد بن عبداللہ لکھو محمد رسول اللہ میٹ دو‘ وہ قسم کھا کر کہنے لگے کہ خدا کی قسم میں رسول اللہ کے لفظ کو نہیں میٹ سکتا۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا‘ اچھا وہ کاغذ مجھ ہی کو دو! اور لفظ رسول اللہ کو میٹ دیا غالباً تھوک سے۔ اور لکھا بخاری کے الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے وہاں محمد ابن عبداللہ لکھا‘ اگرچہ کہ آپ اچھا لکھنا نہیں جانتے تھے‘ یہ بخاری کے الفاظ ہیں‘ اچھا نہ جاننا اور بات ہے‘ لکھنا بالکل نہ جاننا الگ بات ہے‘ اس سے میرا استنباط ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اقراء کے حکم کی تعمیل کی اور کچھ لکھنا پڑھنا ضرور سیکھ لیا تھا۔

مَردوں اور عورتوں کی تعلیم یکساں طور پر رسول اکرم ﷺ کو محبوب تھی

دوسری جو ہمیں مثالیں ملتی ہیں اس حکم کے تعمیل کی‘ وہ ہجرت مدینہ سے قبل کی ہے۔ اس میں بھی ہمارے لئے بڑا سبق ہے علمی نقطہ نگاہ سے‘ ابن اسحاق کا آپ نے نام سنا ہو گا جو اس وقت قدیم ترین سیرت نگار ہیں‘ یعنی ان کی لکھی ہوئی کتاب سیرت اس موضوع کی وہ قدیم ترین کتاب ہے‘ جو ہم تک پہنچی ہے۔ ان کی وفات ۱۵۱ء ھ میں ہوئی اب سے تیرہ چودہ سو سال پہلے‘ تیرہ سو سال سے زائد عرصہ پہلے۔ اس کا بڑا حصہ ضایع ہو چکا ہے‘ دو ٹکڑے ملے‘ ایک ٹکڑا ہے خاص مراکو میں اور دوسرا ٹکڑا دمشق میں۔ اور ان دونوں کو حال میں شائع بھی کر دیا جا سکا ہے۔ دلچسپ کتاب ہے‘ اگرچہ اسکی بہت سی چیزیں بعد میں ابن ہشام نے شایع کر دی ہیں الگ صورت میں‘ مگر اس اصل میں بھی بعض ایسی چیزیں ہیں جو ابن ہشام میں نہیں ملتی ہیں‘ بڑی اہم ہیں۔ ان اہم چیزوں میں سے ایک یا

صرف دو سطر کی روایت میں ہے' حسب ذیل ہے ابن اسحاق کا بیان ہے : "جب کبھی رسول اللہ ﷺ پر کوئی وحی قرآن کی نازل ہوتی تو آپ اسے فوراً مرد صحابہؓ کے مجمع میں تلاوت فرما کر کے سناتے' پھر عورتوں کے مجمع میں سناتے' دوسرے الفاظ میں مردوں کی تعلیم اور عورتوں کی تعلیم دونوں یکساں طور پر رسول اللہ ﷺ کو محبوب تھی اور تعلیم میں فرق نہیں کرتے تھے' جو تعلیم مردوں کو دیتے تھے وہی تعلیم عورتوں کو بھی دیتے ہیں' تعلیم چاہے جو بھی ہو۔ اس زمانے میں جو تعلیم تھی یعنی قرآن مجید پڑھائیں وہ دونوں کے لئے پائی جاتی تھی۔

کسی نے علم کی یہ قدردانی نہیں کی، جو امی رسول اکرم ﷺ کرتا ہے

اس کے بعد ہم کو کچھ اور مثالیں ملتی ہیں' ہجرت کر کے جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لاتے ہیں جلد ہی مشرکین مکہ سے جنگ ہوتی ہے' بدر کی جنگ ۲ ھ میں' اس وقت بھی ہمیں عجیب و غریب مثال ملتی ہے جو تاریخ عالم میں یادگار رہ سکے۔ وہ یہ ہے کہ دشمن کے ستر (۷۰) آدمی گرفتار ہوئے' سوال تھا کہ انہیں کیا کیا جائے؟ تو حضرت عمرؓ اپنی طبعیت اور اشتیاق کے متعلق فرماتے ہیں ان کا سر قلم کر دیا جائے' نہ یہ مسلمان ہوں گے اور نہ ان کی اولاد میں کبھی کوئی شخص اسلام لانے کی توفیق پا سکے گی' اور یہ ہم کو ہمیشہ بے وجہ تکلیف پہنچاتے رہے ہیں' اور چونکہ عقلمند تھے حضرت عمرؓ ' ایک جملے کا اور اضافہ کرتے ہیں ان کے قتل کا کام ہر ہر شخص کو اس کے اپنے قبیلہ کے مسلمان شدہ فرد کے ذریعہ سے کرایا جائے۔ مثلاً کوئی بنو عدی کا قیدی ہے تو بنو عدی کے کسی مسلمان کو حکم دیا جائے کہ اس کا سر قلم کرے' اور فلاں قبیلہ کا ہو تو اسی قبیلہ کے مسلمان سے قتل کرایا جائے تو تاکہ قبیلہ وار جو جلن پیدا ہو گی قتل کے باعث' اس کے مسلمان بعد میں ہدف نہ بنیں۔ فرض کیجیے ایک انصاری قتل کرتا ہے ایک بنو امیہ کے شخص کو' تو ان دونوں قبیلوں میں ہمیشہ ایک جلن رہے گی' اور ممکن ہے کہ انتقام لینے کے لئے کوئی نہ کوئی کوشش ہوتی رہے اس کے برخلاف اگر ایک شخص کو اسی کا رشتہ دار قتل کرتا ہے تو وہ گویا امکان گھٹ جائے گا' یہ حضرت عمرؓ کی رائے تھی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ وہ عرض کرتے ہیں کہ یا رسول

اللہ ﷺ ! میری دانش میں تو قتل کی جگہ ان سے وہ سلوک کیا جائے جس میں اسلام کی بھلائی ہو ‘ہمیں مال کی ضرورت ہے ‘ان سے فدیہ لیا جا سکتا ہے وہ مسلمان نہیں ہونگے فرض کرلیتا ہوں ‘ممکن ہے ان کے بچے مسلمان ہوں ‘ مناسب یہ ہے کہ فدیہ لے کر ان کو رہا کیا جائے ‘ فدیہ کی بڑی کثیر رقم تھی۔ چار ہزار درہم ہر شخص کو دینے پڑتے تھے ‘ درہم کی مالیت کا اندازہ لگایئے۔اسکی پرچیز نگ پاور ‘ آپکو حیرت ہو گی کہ اتنی بڑی رقم کیسے طلب کی جارہی ہے۔ جب سن ۸ ھ میں شہر مکہ فتح ہوا تو رسول اکرم ﷺ نے وہاں ایک شخص کو گورنر مامور کیا۔اس گورنر کی تنخواہ لکھی ہے ‘ ماہانہ تیس درہم ہوتی تھی۔ ایک درہم ایک اچھے کھاتے پیتے شخص کو‘ گورنر کو‘ اپنی ذات ‘ اپنی بیوی ‘ اپنے بچے ‘ اپنے گھر کے غلاموں ‘ ملازموں سب کیلئے ایک درہم روزانہ کافی ہے ‘ تیس درہم اسے ماہوار ملتی ہے۔ اور فدیہ طلب کیا جارہا ہے چار ہزار درہم ہر ہر شخص سے ‘جو تقریباً ایک شخص کی تیس سالہ زندگی تقریباً پوری کرنے کیلئے کافی ہے۔ جو لوگ مالدار تھے انہوں نے رقم ادا کی۔ جن کے دوست مالدار تھے انہوں نے اپنے دوستوں سے قرض لیکر یا کوئی اور طریقے مدد لیکر وہ رقم ادا کی۔ لیکن کچھ مفلس بھی تھے ان قیدیوں میں ‘حضور ﷺ نے ان کو حکم دیا ‘اسی کا میں آپ سے ذکر کرنا چاہتا تھا ‘جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتا ہے وہ دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائے ‘تو اس سے چار ہزار درہم کی کثیر رقم نہیں لی جائے گی ‘اسے مفت رہا کر دیا جائے گا۔اس کی مثالیں ہم کو تاریخ عالم میں نہیں ملتی کہ سپہ سالاروں اور فاتحوں نے کبھی علم کی یہ قدر دانی کی ہو ‘ نہ سکندر اعظم نے نہ بیلو سیلر نے ‘ نہ ہٹلر نے۔ کسی نے علم کی یہ قدر دانی نہیں کی جو امی رسول اکرم ﷺ کرتا ہے۔اس طرح مجھے بیشمار چیزیں ملی ہیں۔ میں صرف آج علم پر اکتفا نہیں کروں گا۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کچھ اور چیزیں بھی آپ کو بتاؤں گا اور آپ سے عرض کروں گا ‘جس سے معلوم ہو گا کہ وہ کیا شخصیت ہے جس کو آخری نبی ہونا قسمت میں لکھا ہوا تھا۔ایک مشہور مثل ہے "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری "جو چیزیں ایک ایک کر کے مختلف لوگوں کو دی گئی ہیں ہو وہ سب کی سب اس کو دی گئی ہیں چنانچہ اور سارے انبیاء علیہم السلام کو جو خصوصیتیں ‘ اور

جو کردار عطا کئے گئے تھے' وہ ساری صفتیں ہمارے نبی ﷺ کو خدا نے عطا کی ہیں:۔ یہ شاعری نہیں ہے ایک حقیقت ہے' اور اس حقیقت کا ثبوت بھی ہمیں ایک مشہور حدیث میں ملتا ہے۔ فتح الباری لابن حجر عسقلانی اور سیرت النبی ﷺ کی کتابوں میں مذکور ہوا ہے' وہ یہ ہے کہ جیسے ہی رسول اکرم ﷺ پیدا ہوئے' حضرت آمنہ کی روایت ہے کہ ایک بادل آیا اور اس نے بچہ کو ڈھانپ لیا' اور میری آنکھوں سے غائب ہوگیا۔ مگر ایک آواز سننے میں آئی' کوئی کہہ رہا تھا' لے جاؤ اس کو زمین پر اور فضا میں اور پانیوں کے اندر اور سمندروں کے اندر تاکہ کائنات کا ہر ہر فرد اپنے اس نئے نبی ﷺ سے روشناس ہو جائے' پھر تھوڑی کے بعد دوبارہ بادل آیا اور ہٹ گیا' اس سے حضور اکرم ﷺ دوبارہ نمودار ہوئے' اتنے میں ایک اور بادل آتا ہے دوبارہ ڈھانپ لیتا ہے' بچہ پھر نظر سے غائب ہو جاتا ہے' اور پھر اندر سے آواز آتی ہے' دو اس کو خصوصیتیں اور خاصیتیں اور صلاحتیں سارے انبیائے علیہم السلام کی۔ نام کے ساتھ 'آدم علیہ السلام کی فلاں چیز' یوسف علیہ السلام کا حسن' موسیٰ علیہ السلام کی شدت' عیسیٰ علیہ السلام کی مہربانی وغیرہ وغیرہ ہر ایک نبی کی خصوصیتیں' اور ان حالات میں اگر میں دوبارہ عرض کروں کہ ہمارے نبی ﷺ میں سارے انبیاء کی خصوصیتیں جمع ہو گئی تھیں' تو ظاہر ہے کہ ساری خصوصیتوں کا ذکر کرنا پڑے گا جستہ جستہ یا اشارۃً یا کم از کم اہم صفتوں کا۔

رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں سیاسی یا انٹرنیشنل لاء کے نقطہ نظر سے

ان میں سے ایک چیز سے مجھے International Law کا طالب علم ہونے کی وجہ سے کافی دلچسپی رہی ہے' انٹرنیشنل لاء میں غالباً آپ واقف ہونگے' جنگ اور صلح اور غیر جانبداری جنگ کے زمانے میں' ان تینوں چیزوں کے باعث ہوتی ہے۔ اس موضوع کی تعلیم پاتے وقت جو سارے ہندستان میں' برٹش انڈیا میں پہلی دفعہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد میں شروع ہوا تھا' اس کی وجہ یہ ہوئی تھی' مجھے ٹھیک سن یاد نہیں' لیگل نیشن کی طرف سے سرکیولر آیا تھا سارے ہندستان کی یونیورسٹیوں کو کہ انٹرنیشنل لاء کی تعلیم اپنے نصابوں میں شامل کرد۔ میں لاء کالج میں تھا اور اسی سال یہ سرکیولر بھی آیا تھا' اور ہماری

یونیورسٹی نے فوراً اسے قبول بھی کیا تھا۔ غرض یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں سیاسی یا انٹرنیشنل لاء کے نقطہ نظر سے ہمیں بے شمار مثالیں ملتی ہیں، جن میں سے ایک پہلو جنگ کا آپ سے ذکر کرتا ہوں۔

امن کو ترقی دینا یہ خاص کارنامہ ہے رسول اکرم ﷺ کا

جنگ بد قسمتی سے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کی اولاد میں پائی جاتی ہے، اپنے آپ میں کا قتل کرتے ہیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ روک نہیں سکتے۔ لیکن خون ریزی کو کم کرنا اور جنگ کی جگہ صلح اور امن کو ترقی دینا یہ خاص کارنامہ ہے رسول اکرم ﷺ کا، اور وہ حیرت انگیز ہے، اسلامی حکومت مکہ مکرمہ میں نہیں تھی۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں حضور اکرم ﷺ قیام فرماتے ہیں، میں ابھی اس کی تفصیلات آپ سے عرض کروں گا۔ اور دس سال کے بعد آپ کی وفات ہوتی ہے۔ اس مملکت کا آغاز ہوتا ہے ایک شہر کے ایک حصہ سے، کیونکہ پورا مدینہ ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا، وہاں کے کچھ یہودی بھی اس سلطنت میں شریک ہونے پر آمادہ ہوئے، کچھ انکار کرتے رہے غیر مسلم۔ بہر حال ایک شہر کے ایک حصہ میں اولین اسلامی حکومت قائم ہوتی ہے، اور دس سال بعد، جب حضور اکرم ﷺ کی وفات ہوئی، اس وقت یہی شہر پائے تخت بن چکا تھا ایک ایسی مملکت کا، جو تیس لاکھ مربع میل کے رقبہ پر ممتد ہو چکی تھی، یعنی تین ملین کلومیٹر کم از کم یہ رقبہ تھا اسلامی مملکت کا رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد۔ دوسرے الفاظ میں دس سال کے عرصے میں تیس لاکھ مربع کلومیٹر کا رقبہ فتح کیا گیا، گویا روزانہ ۸ سو کلومیٹر کا رقبہ مسلسل اوسطاً اسلامی مملکت میں بڑھتا چلا گیا۔ ایک پہلو ہے فتوحات کی وسعت اور سرعت کے متعلق۔ سوال یہ ہوگا کہ ان تیس لاکھ مربع کلومیٹر کی فتح کرنے میں کتنے آدمیوں کا خون بہایا گیا؟ آیا حضور اکرم ﷺ بھی اور فاتحوں کی طرح کے ہیں کہ اور انسانی خون کی عزت نہیں کرتے، یا اس میں بھی کوئی محمدی خصوصیت پائی جاتی ہے؟ میں نے سیرت النبی ﷺ کی کتابوں سے ہر ہر غزوہ اور ہر ہر سریہ کے متعلق اعداد جمع کیے، کتنے مسلمان تھے؟ کتنے دشمن تھے؟ اور اس جنگ میں کتنے مسلمان شہید ہوئے؟ اور کتنے

دشمن کے آدمی مارے گئے؟ ساڑھے دس سال کی پچیس تیس لڑائیوں کے متعلق' آپ کو حیرت ہو گی اعداد و شمار کو سن کر' جو ٹوٹل کے متعلق ہے۔ دس سال کے ہوتے ہیں ایک سو بیس مہینے۔ ہر سال کے بارہ مہینے' ان پورے تیس لاکھ مربع کلومیٹر اراضی کی فتح میں دشمن کے میدان جنگ میں ماہانہ دو آدمی بھی نہیں مرتے۔ یہ ہے انسانی خون کی وہ عزت جو رسول اکرم ﷺ نے عملاً قائم فرمائی ہے۔ یہ نہیں کہ تھیوری کے طور پر حکم دیا ہو کہ انسان کے خون کی عزت کرو اور جب خود حکمران بنو تو جو چاہو کرو! جیسا ہم اپنے زمانے میں دیکھ چکے ہیں' ایسا نہیں۔ دشمن کے میدان جنگ میں مارے جانے والے لوگوں کی تعداد دو سو بھی نہیں ہے۔ دس سال کے عرصے میں' اور تیس لاکھ مربع کلومیٹر کے فتح کرنے میں۔

سپہ سالار کی حیثیت سے!

فریقین کی تعداد وہ بھی حیرت انگیز!

ایک دوسری کو چیز لیجئے' سپہ سالار کی حیثیت سے! ہر اس لڑائی میں جو مسلمان اور غیر مسلموں میں ہوئی' فریقین کی تعداد وہ بھی حیرت انگیز' بدر کی جنگ' مسلمانوں کی تعداد' رسول اللہ ﷺ کے ہمراہیوں کی تعداد ۳۱۲ ہے اور دشمن کی تعداد ۹۵۰ ہے تگنے سے بھی زیادہ دشمن ہیں۔ احد کی جنگ میں ۷۰۰ مسلمان ہیں ۳۰۰۰ دشمن ہیں' خندق کی جنگ میں ۱۵۰۰ مسلمان ہیں اور ۱۲۰۰۰ دشمن ہیں۔ خیبر کی لڑائی میں ۱۵۰۰ مسلمان ہیں اور ۲۰۰۰۰ ہزار یہودی جو فوجی سپاہی ہیں ہتھیار چلانے والے' ساری آبادی معلوم نہیں کتنی تھی' کیونکہ ان کے ملک پر حملہ کیا تھا وہ قلعہ بند ہو کر اپنے آپ کی مدافعت کر رہے تھے۔ ان لڑائیوں میں اسلامی فوج کو فتح ہوتی ہے' باوجودیکہ دشمن دگنا' تگنا' چوگنا اور دس گنا ہوتا ہے۔ اور فوج کی قیادت کون کرتا ہے؟ جسے جنگ کا کوئی تجربہ نہیں۔ امپرووائیز جنرل ہیں رسول خدا ﷺ۔

سرسری مطالعہ باعث اعتراض بنتا ہے!

جنگ بدر کے متعلق بعض ایسی چیزیں ملتی ہیں جو آدمی سرسری طور سے مطالعہ کرے تو اس کے گہرے معنی نہ سمجھ سکے۔ شاید اعتراض ہی کر دے کہ یہ ایک نبی نہیں ہے اور یہ

معمولی انسان ہے۔ اگر اسکی گہرائی میں جائیں تو آپ اسکی اہمیت کو فوراً خود ہی معلوم کر لیں گے، مثلاً لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے لئے جس مقام پر بدر کی جنگ ہونے والی تھی اس کے بلکل قریب ایک چھوٹی سے پہاڑی پر ایک جھونپڑی بنائی گئی، تا کہ رسول اللہ ﷺ اندر رہ کر دونوں فوجوں کو دیکھتے رہیں اور حسب ضرورت احکام دیتے رہیں کہ مسلمانوں کا یہ دستہ آگے بڑھے اور یہ پیچھے ہٹے، یہ دوسرے دستہ کی مدد کے لئے جائے وغیرہ۔ اور دشمن کی حرکتوں کو بھی دیکھتے رہیں۔ وہیں اسی مقام پر لکھا ہے کہ دو تیز رفتار (اونٹنیاں) بھی کھڑی کر دی گئی تھیں صراحت ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اگر خدانخواستہ حالت دگرگوں ہو، ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونگے، لیکن اگر آپ شہید ہوں تو اسلام ختم ہو جائے گا لہٰذا آپ ان اونٹنیوں پر سوار ہو کر اور اپنے ساتھ میں جس شخص کو مناسب ہو لیکر کسی اور جگہ تشریف لے جائیں۔ جیسا میں نے ابھی عرض کیا سرسری طور سے اس کو پڑھیے! تو اس کے معنی یہ نکلتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نعوذ باللہ ! ایک بزدل آدمی تھے اور بھاگنے کی پیش بندی کر چکے تھے۔ لیکن ذرا غور سے دیکھیے! وہ ہیں اسوۂ حسنہ، ان کو نمونہ بننا ہے دنیا کے آئندہ مسلمان بادشاہوں، سپہ سالاروں کے لئے۔ یعنی یہاں بتاتے ہیں کہ اس طرح کا تم انتظام کرو۔ اور یہ ہی مفید ہے ملک کے لئے، سلطنت کے لئے، جنگ کے لئے اور خود تمہارے لئے۔ تو نمونہ دینے کے لئے آپ انتظام کرتے ہیں چاہے اس کی ضرورت پیش نہ آئے لیکن کر کے دکھاتے ہیں کہ یوں کرنا چاہیے۔ یہ ہے میرا انٹروڈیکشن جس کی بناء پر ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کو بھی ہم اسوۂ حسنہ کے سلسلے میں دیکھ سکتے ہیں اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

اس خطبہ پر آج کل کے جنرل بھی دنگ رہ جاتے ہیں!

ایک اور چیز اس جنگ کے سلسلے میں لکھی گئی ہے، مسلمانوں کی تعداد تھوڑی ہے ۳۱۲ تین سو بارہ، دشمن ہے بہت زیادہ ۹۵۰ نو سو پچاس، اور صبح کو جنگ ہونے والی ہے رات ہی کو رسول اللہ ﷺ فوج کی پوری تنظیم کر دیتے ہیں۔ یہ مقدمے میں رہے گا، یہ پیچھے کے حصے میں رہے گا، اور یہ دائیں بازو میں یہ بائیں بازو میں اور یہ خلف میں اس کا یہ سردار

ہوگا اس کا وہ سردار ہوگا یہ ساری چیزیں طئے کر دیتے ہیں۔ اور اس کے بعد صبح کو فوج کی صف آرائی کرتے ہوئے اسکی خود شخصی طور پر نگرانی کرتے ہیں۔ چھوٹی چیزیں ہیں' جسے شاید آج ہم کوئی اہمیت نہ دیں۔ غور کیجئے یہ اب سے چودہ سو سال پہلے کا واقعہ ہے۔ صف کو آراستہ کرتے ہوئے سپاہیوں کو حکم دیتے ہیں کہ کوئی شخص نہ ایک انچ کوئی دوسرے سے آگے بڑھا ہوا ہو' نہ ایک انچ دوسرے سے پیچھے ہٹا ہوا ہو۔ ہاتھ میں ایک تیر ہے اگر کوئی شخص اتفاقاً بے خیالی میں آگے بڑھ گیا' یا پیچھے ہٹ گیا تھا' تو اس کو اس تیر سے گویا چھو کر کر فرماتے ہیں کہ آگے ہٹو' پیچھے ہٹو! صف درست کریں۔ معمولی چیز ہے لیکن صف آرائی ہمیں وہاں نظر آتی ہے کیونکہ اس زمانے میں عام بدوی عرب صف کا خیال نہیں کرتے تھے' نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کی قوت اتنی موثر نہیں ہوتی تھی' جتنی صف کے باعث ہوتی ہے۔ کیونکہ فرض کیجئے! اگر صف نہ ہو اور دشمن پر تیر چلائیں اور صف ہو اور وہی لوگ تیر چلائیں' ان کے سارے تیر ایک ہی وقت چلیں گے اور دشمن کا پورے کا پورا دستہ ہدف بنے گا۔ اس کے برخلاف اگر صف ٹھیک نہ ہو تو کسی کا تیر لگے گا کسی کا نہیں لگے گا' کسی کا کدھر جائیگا۔ یہ صف کی اہمیت جو فوج میں ہے وہ ہمیں وہیں سے نظر آنے لگتی ہے کہ ایک امپرو وائیز جنرل اس کا انتظام کرتا ہے۔ اور آگے کے لیے' اس کام کے ختم ہوتے ہی آپ سپاہیوں کو مخاطب کر کے ایک چھوٹا سا خطبہ تقریر کرتے ہیں' اس پر آج کل کے جنرل بھی دنگ ہو جاتے ہیں۔ لکھا ہے کہ سپاہیوں کو حکم دیا کہ جب تک دشمن جو تمہاری طرف بڑھتے ہوئے آئے گا تم یہیں کھڑے رہو' کوئی شخص نہ آگے بڑھے نہ پیچھے ہٹے' بلکہ اپنی جگہ ساکن رہے' اور جب دشمن تیر کے زد سے بھی دور ہے تو اپنے تیر ضایع مت کرو! اپنے اسلحہ کو ضایع مت کرو! جب تمہاری دانش میں دشمن تیر کی زد پر آچکا ہے تو اس وقت دوسری چیزوں کا استعمال نہ کرو' نہ نیزے کا نہ تلوار کا بلکہ تیر کا' دشمن اگر اور قریب آجائے تو اس وقت بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹو! اس وقت بھی تلوار اور نیزے اور غیر متعلق اور غیر ضروری چیزوں کو استعمال نہ کرو' تیر کے بعد ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے پاس پتھروں کا ایک ڈھیر جمع کرلے' اور دشمن کو پتھر مار کر نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔ جب دشمن اور بھی قریب آجائے' تو آپ نے فرمایا اس وقت نیزوں کا استعمال کرو' اگر اس سے بھی قریب آجائے تو پھر تلوار لے کر دشمن سے مقابلہ کرو۔ اسلحہ کے حفاظت' اسلحہ کو موثر

سے موثر تر بنانا' یہ ساری چیزیں ہم اس چھوٹی سی مثال کے اندر دیکھتے ہیں۔اس کے بعد ایک اور چیز ہے' مسلمانوں میں جوش اور ولولہ پیدا کر دینا اور جان پر کھیلنے کے لئے آمادہ کر دینا' اس کی بھی آپ ﷺ نے تدبیر فرمائی' سپاہیوں سے آپ نے مخاطب ہو کر آپ نے فرمایا کہ اس سے پہلے بھی آپ دعا میں کہہ چکے تھے۔ مسلمانو! اس وقت دنیا کی سر زمین میں تم وہ واحد شخص ہو' واحد لوگ ہو' واحد قوم ہو' جو اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتے ہو' تم مر جاؤ تو خدا کی پرستش کرنے والا دنیا میں کوئی نہیں رہے گا۔ تم ہیں امانت کے حامل' اللہ تعالیٰ کے دین کے پھیلانے کے۔آپ اندازہ کر سکتے ہیں ہر شخص کے دل میں ولولہ پیدا ہو گیا کہ میں ہوں اللہ تعالیٰ کی امانت کا حامل' جان جائے مگر اس امانت کی تکمیل میرے فریضہ میں ہے۔ ہم ہیں وہ واحد شخص جو اس وقت دنیا میں اللہ تعالیٰ کے صحیح تابعدار ہیں' اس کے بعد جو بھی ہوا وہ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ۳۰۰ آدمیوں نے اپنے سے چوگنے آدمیوں کو اس طرح شکست دی کہ آدمی حیرت زدہ ہو جاتا ہے' دشمن کے ۷۰ آدمی مارے گئے' دشمن کے ۷۰ آدمی گرفتار ہوئے اور باقی سب بھاگ گئے اور بڑے بڑے سردار ابو جہل وغیرہ جو وہاں آئے تھے وہ بھی سب مارے گئے' ابو جہل بھی' اور فلاں بھی' فلاں بھی۔

رسول خدا ﷺ چاہتے تھے کہ انسانوں کا خون نہ بہے، لیکن ــــ!

ایک اور جنگ کا میں آپ سے ذکر کرتا ہوں' جو آخری جنگ ہے فتح مکہ مکرمہ' اس سے بھی آپ کو یہ اندازہ ہوگا کہ مسلمانوں کا یہ سپہ سالار ﷺ کن عجیب وغریب خصوصیات کا مالک تھا۔ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ انسانوں کا خون نہ بہے' لیکن دشمن کو زیر کر لیا جائے' یہ دونوں گویا ایک دوسرے سے میل نہ کھانے والی چیزیں ہیں' لیکن وہ وجود میں آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف وجوہ سے (جس کے بیان کرنے کا ابھی وقت نہیں ہے) یہ طے فرمایا تھا کہ مکہ کو سزا دینی چاہیے' مکہ پر حملہ کرنا چاہیے۔انہوں نے کچھ قصور کیے تھے۔ لیکن اگر ویسے ہی جائیں' مقابلہ ہو عام حالات کی طرح کا' تو مکہ والے ایسے نہیں ہیں کہ چپ رہیں' مقابلہ کریں گے۔ مسلمانوں کے بھی بیسیوں اور سیکڑوں آدمی

مارے جائیں گے' پھر معلوم نہیں کون جیتے گا؟ کون ہارے گا؟ ہم ان کے شہر میں جارہے ہیں' وہ ڈفینس کی حالت میں رہیں گے اور محفوظ حالت میں رہیں گے۔ گھروں کے اندر سے مقابلہ کریں گے' اور ہم رہیں گے کھلے مقام پر' ہمیں نقصان زیادہ پہنچنے کا امکان ہے۔ اس لئے دشمن پر اس طرح حملہ کرنا چاہیے کہ نہ لاٹھی ٹوٹے اور نہ سانپ بچ سکے' سانپ بھی مر جائے لاٹھی بھی نہ ٹوٹے' یعنی مکہ پر قبضہ کیا جائے اچانک طور پر' دشمن کو کوئی اطلاع بھی نہ ہو کہ مسلمان آچکے ہیں۔

اس زمانے کے لیے ایک ناممکن سی چیز تھی کہ مدینہ سے مکہ کو' جو بارہ دن کا راستہ ہے اونٹوں پر' مثلاً دس ہزار کی کوئی فوج جائے اور اس کی خبر نہ پھیلے' مدینے سے نکلتے ہی فوراً رفتہ رفتہ وہ اطلاع پہنچ جاتی ہے منزل مقصود کو' کہ مسلمان ادھر جارہے ہیں اور دشمن تیار ہوجاتا ہے۔ ضرورت تھی کہ اس خبر کے پھیلنے کا انسداد و سدباب کیا جائے' یہ کیا انہوں نے 'کیا تھا؟ سب سے پہلے مدینہ کی ناکہ بندی کی' یعنی مدینہ سے باہر نکلنے کے جتنے بھی راستے تھے شمالی' جنوبی' شرقی' غربی' ہر راستہ پر سپاہی مامور کیے گئے کہ کسی شخص کو باہر جانے نہ دو' دوست بھی ہو باہر جاکر باتونی آدمی ہو تو کہہ دے گا کہ مدینہ میں ہمارے یہاں تیار ہو رہی ہے' اس طرح خبر پھیل جائے گی' چاہے انہیں معلوم نہ ہو رسول خدا ﷺ کہاں جا رہے ہیں۔ یہ کہنا کہ مسلمان جنگ کی تیاری کر رہے ہیں' ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں چور ہے' فوراً معلوم ہو جاتا' کہ ہمارا ہی قصد ہوگا۔ تو آپ ﷺ مدینہ سے باہر جانے کو بند کر دیتے ہیں۔ مدینہ کے اندر مسلمانوں کی تعداد اتنی نہیں ہے کہ شہر مکہ پر حملہ کرنے کے لئے کافی ہو' ضرورت تھی کہ اور مقاموں سے بھی رضاکار حاصل کئے جائیں' چنانچہ بہت سے مسلمان قبیلے تھے' جو مدینہ سے باہر دور دراز علاقے میں رہتے تھے۔ کوئی مدینہ کے شمال میں' کوئی مشرق میں' کوئی مغرب میں۔ وہاں آپ ﷺ پیغام رساں بھیجتے ہیں' اور ان قبیلوں کے سرداروں کو ہدایت دی جاتی ہے کہ اہم کام ہے' مجھ سے آکر ملو۔ آمنا صدقنا ان قبیلوں کے سردار مدینہ آتے ہیں اور مدینہ میں حضور اکرم ﷺ ان سے تنہا تنہا ملتے ہیں' اجتماعی طور پر بھی نہیں ملتے۔ اور ہر ایک سے کہتے ہیں ایک بڑی مہم درکار ہے' تمہارے یہاں کے رضاکاروں کی بھی ضرورت ہے' لیکن تم مدینہ نہ آؤ' اپنے ہی مقام' اپنے ہی شہر میں تیار رہو۔ اس طرح تیار کہ ایک منٹ کے نوٹس پر تم چل

سکو! ہم خود تمہارے علاقے سے گذریں گے، تمہارا کنٹی نین بھی لے لیں گے، اور تمہارا دستہ بھی اپنی فوج میں شامل کر لیں گے۔ اور آگے بڑھیں گے۔ ہر شخص کو یہی حکم دیا گیا۔ مدینہ سے مسلمان چلتے ہیں (۱۵۰۰) پندرہ سو، اور جب مکہ پہنچتے ہیں تو ان کی تعداد ہے (۱۰۰۰۰) دس ہزار۔ اگر مدینہ سے چلتے وقت کی تعداد دشمن کو معلوم بھی ہو چکی ہو تو مکہ پہنچنے کے وقت کی تعداد کا اسے اندازہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ راستہ میں ہو رہا ہے، اور ایک عجیب و غریب طریقے سے، جس کے باعث مکہ والوں کو اطلاع پہنچنے کا انسداد بھی ہو گیا۔ کوئی امکان نہیں رہا۔ وہ یہ کہ مدینہ ترک کرنے سے پہلے، کچھ عرصے پہلے، چند ہفتے پہلے، آپ ﷺ نے ایک فوج روانہ کی مدینہ کے شمال کی طرف ایک قبیلہ کو سزا دینے کے لئے، خبریں پھیل گئیں اس کی، غالباً مکہ تک بھی اطلاع پہنچ گئی۔

اس دن حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ ہر سپاہی اپنی علیحدہ آگ جلائے!

رسول اللہ ﷺ اب شمال کی طرف جانے کا ارادہ کر رہے ہیں، نقشہ آپ کے ذہن میں ہو گا کہ مکہ ہے جنوب میں، فوج بھیجی گئی ہے شمال میں، غالباً بازنطینی حکومت سے یا کسی اور شمالی قبیلے سے لڑائی پیش نظر ہے، شمال میں جاتے ہیں، مثلاً جہینہ قبیلہ کا دستہ لیتے ہیں، پھر مشرق کی طرف جاتے ہیں، پھر جنوب مغرب کی طرف، پھر جنوب کی طرف، پھر شمال کی طرف، غرض اس طرح اسلامی فوج بڑھتی ہے اور ایک بڑے مشہور صحابی حضرت حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح بخاری میں ہے کہ مکہ کے پہاڑ کے دامن میں کیمپ لگانے سے پہلے ہمیں بھی معلوم نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کہاں جا رہے ہیں۔ کبھی شمال، کبھی مغرب، کبھی جنوب، کبھی ادھر، کبھی ادھر، اس طرح جا رہے تھے کہ کچھ پتہ ہی نہیں لگتا تھا۔ بس حضور اکرم ﷺ نے کسی سے نہیں کہا تھا، حتیٰ کہ بڑے بڑے صحابہ جیسے حذیفہ ابن یمان ہیں ان کو بھی معلوم نہیں تھا کہ کہاں جا رہے ہیں۔ پہنچتے ہیں مکہ کے دامن میں، مغرب کا وقت ہے قیام کرتے ہیں۔ غالباً آپ کو معلوم ہو گا کہ پرانے زمانے میں فوج کے ساتھ باورچی وغیرہ نہیں ہوتے تھے ہر شخص اپنی غذا خود تیار کرتا تھا اور بجائے اس کے کہ ہر آدمی الگ الگ چولہا جلائے، چار پانچ دوست مل کر ایک چولہا جلاتے، اور غذا

تیار ہوتی وہ کھالیتے۔ دس ہزار کی فوج ہے' اس دن رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہر سپاہی اپنی علیحدہ آگ جلائے' دس ہزار چولہے جل رہے ہیں۔ مکہ والوں کے دلوں میں چور تھا اپنے قصوروں کے باعث' اور وہ سوچ رہے تھے کہ مسلمان ہم پر حملہ کریں گے۔ حیرت تھی کہ اب تک کیوں حملہ نہیں کیا۔ چنانچہ ان کا سردار ابوسفیان روزانہ اپنی فرزانگی اور فراست کے باعث مکہ کی پہاڑیوں پر چڑھتا اور ادھر ادھر نظر ڈالتا' شاید دشمن آرہا ہو' اس رات بھی چڑھا' اور دیکھا کہ دس ہزار چولہے جل رہے ہیں' یعنی پچاس ہزار کی فوج آئی ہوئی ہے' چھکے چھوٹ جاتے ہیں' یہ کون ہے پچاس ہزار کی فوج لانے والا؟ اور کیسے آیا؟ کہ اب تک ہمیں اس کی اطلاع بھی نہیں ہوئی' اچانک آج کے دن میں پہنچا ہے' لکھا ہے کہ آسمان سے پیراشوٹ کے ذریعے سے۔ پہاڑ سے اترتا ہے' آہستہ آہستہ چپکے سے چلتا ہے کیمپ کی طرف' شاید کوئی شخص مل جائے' میں اس سے پتا چلالوں کہ یہ کون لوگ ہیں؟ کہ میں مکہ پہنچ جاؤں گا' ضروری انتظام کروں گا مدافعت کا۔ مسلمان کی فوج بھی رسول اللہ ﷺ کی نگرانی میں غافل نہیں ہے' کیمپ میں پیٹرول دستے گشت کرتے رہتے ہیں' ان میں سے ایک دستے کا سامنا ہوا ابوسفیان سے' فوراً گرفتار کرلیا اور پکڑ کر حضور ﷺ کے سامنے لاکر حاضر کیا۔ خیال فرمایئے شہر مکہ پر حملہ ہو رہا ہے' وہاں کا سپہ سالار اعظم غائب ہوگیا' اہل مکہ کو پتہ نہیں کیا کریں؟ اول تو دشمن کے آنے کی بھی اطلاع نہیں ہے' اور دشمن اگر شہر میں داخل بھی ہونے لگے کیا کرنا چاہیے؟ کسی کو معلوم نہیں' کیونکہ سپہ سالار اعظم غیر موجود ہے۔ صبح کو مسلمانوں کی فوج آگے بڑھتی ہے' شہر میں داخل ہونے کے لئے۔

چاروں راستوں سے مسلمانوں کی فوج داخل ہوتی ہے

اس وقت ایک اور چیز ہمیں نظر آتی ہے' شہر مکہ ایک وادی میں ہے' ایک راستہ شمالاً جنوباً ہے اور ایک راستہ ہے شرقاً غرباً' صرف چار راستے ہیں' مسلمانوں کی فوج کے چار حصے کیے جاتے ہیں' اور ہر حصہ ایک ایک راستے سے شہر کے اندر داخل ہوتا ہے۔ بظاہر دو مصلحتیں تھیں' ایک تو یہ کہ دشمن کو اگر کوئی کمک پہنچنے والی ہو' مدد آنے والی ہو' تو اس کو اس راستے پر ہمارا قبضہ ہو جانے کی وجہ سے شہر میں آنے کا موقع نہ رہے۔ دوسری اس کی

تعبیر یہ کی جاسکتی ہے کہ شہر مکہ کے لوگ کہیں بھاگ نہ جائیں جان بچانے کے لئے' ان سب کو گرفتار کیا جاسکے 'اور چاروں راستوں سے مسلمانوں کی فوج داخل ہوتی ہے۔ ایک اور چیز' جو بھی عجیب و غریب مجھے معلوم ہوئی اگرچہ کہ میری فوجی تعلیم نہیں ہوئی' وہ یہ تھا کہ ہر شہر میں گھسنے والے دستے کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ رئیس کے ذریعہ سے اطلاع دیتے جاؤ پکار کر' جو شخص اپنے گھر کے اندر بند رہے گا وہ امن میں رہے گا! جو شخص ہتھیار ڈال دے گا وہ امن میں رہے گا! جو شخص خانہ کعبہ کے کوٹ میں' میدان میں جمع ہو جائے وہ بھی امن میں رہے گا! ایک آخری چیز بڑی عجیب ہے جو شخص ابو سفیان کے گھر میں جائے گا اسے بھی امن رہے گا! لوگ حیران ہوئے کہ کیا ابو سفیان بھی مسلمان ہو گیا ہے؟ کنفیوژن میں اور کنفیوژن بڑھتا ہے۔

ایک قطرہ خون بہائے بغیر ہی شہر پر قبضہ ہو جائے

یہ تھی وہ تدبیر' جس کے ذریعہ سے رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے' مکہ والوں کو اچانک جاکر مجبور کریں اور خون خرابے کی ضرورت پیش نہ آئے' ایک قطرہ خون بہانے کے بغیر ہی شہر پر قبضہ ہو جائے۔ عملاً وہی ہوا مسلمانوں کی فوج داخل ہو گئی پورے شہر پر چھا جاتی ہے' اس وقت رسول اللہ ﷺ ڈھنڈھورا پٹواتے ہیں' دوبارہ رسول اللہ ﷺ مکہ والوں سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ ہر شخص کو چاہیے کہ کعبہ کے میدان میں جمع ہو جائے کچھ تو استعداد کے خاطر اور کچھ خوف سے' نا معلوم کیا ہمیں سزا دینے والا ہے' بیس سال کی ہماری حرکتوں کا' اگر ہم سے انتقام لینا چاہے تو کیا حکم دیگا! لرزتے ہوئے وہ سب لوگ وہاں جمع ہو جاتے ہیں کعبہ کے سامنے۔

آج تم پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے! جاؤ تم سب آزاد ہو!

وقت تھا ظہر کی نماز کا' رسول اللہ ﷺ کے اشارے سے حضرت بلال حبشیؓ کعبہ کی چھت پر چڑھتے ہیں اور اذان دیتے ہیں' اللہ اکبر اللہ اکبر اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان محمد رسول اللہ وغیرہ۔ حاضرین میں ایک شخص ہے مشرکین مکہ کا' بعد میں مسلمان ہوئے

'عتاب بن اسید ان کا نام ہے' جب لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ اذان میں سنتے ہیں اپنے بازو بیٹھے ہوئے ایک اور مشرک سے کاناپھوسی کرتے ہیں 'اللہ کا شکر! میرا باپ مر چکا ہے ورنہ وہ برداشت نہ کر سکتا کہ خانہ کعبہ کے چھت پر ایک کالا گدھا چڑھ کر رینگے' نعوذ باللہ! یہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کی طرف اشارہ ہے اسے اپنے ذہن میں رکھیے۔ کہ ایک منٹ کے بعد میں اس کو دوبارہ ریپیٹ کرونگا' پھر حضور ﷺ امام بن کر نماز پڑھاتے ہیں اس کے بعد حاضرین سے یعنی اہل مکہ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں' تمہیں مجھ سے کیا توقع ہے؟ ایک چھوٹا سا جملہ اور ہر شخص اس کا مقصود سمجھتا تھا' بیس سال سے تم اسلام کے خلاف جانی' مالی' اخلاقی یعنی جو بھی حرکتیں کرتے رہے ہو اس کے باعث اب تم کس چیز کے مستحق ہو؟ میں سمجھتا ہوں رسول اللہ ﷺ برحق ہوتے' اگر یہ حکم دیتے کہ ان سارے لوگوں کا قتل عام کر دیا جائے! اور اس حکم کے تعمیل کے وسائل آپ ﷺ کے پاس موجود تھے' آپ ﷺ نہیں کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ حکم دے سکتے تھے کہ ان سارے لوگوں کو لونڈیاں غلام بنالیا جائے' اس کا امکان تھا اس کے تعمیل کرنے کا' آپ ﷺ وہ بھی نہیں کرتے۔ کم از کم آپ یہ حکم دے سکتے کہ ان کا سارا مال و متاع غنیمت کے طور پر لیا جائے' یہ آپ ﷺ کا حق تھا یہ بھی آپ ﷺ نہیں کرتے ہیں۔ بہر حال اہل مکہ سے پوچھا کہ تم مجھ سے کس برتاؤ کی توقع کرتے ہو؟ تو انہوں نے شرما شرمی سے سر جھکا کر صرف یہ کہا آپ ﷺ شریف ہیں! شریف زادے ہیں! ہم آپکی شرافت ہی کی توقع کرتے ہیں۔ اس وقت تاریخ عالم کا وہ یادگار جملہ حضور ﷺ کی زبان سے ادا ہوتا ہے آج تم پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے! جاؤ تم سب آزاد ہو!۔ اس جملے کی صدائے بازگشت سنیے! عتاب بن اسید جس کا ابھی میں نے آپ سے ذکر کیا ہے کہ اذان پر وہ کہتا ہے کہ گدھا ہینگ رہا ہے۔ اپنے آپ کو برداشت نہیں کر سکا' کود کر اٹھتا ہے حضور اکرم ﷺ کے سامنے حاضر ہوتا ہے' اور کہتا ہے او محمد ﷺ! میں ہوں عتاب بن اسید! یعنی تمہارا مشہور دشمن! اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ! جس شخص کو تلوار زیر نہ کر سکی بیس سال کے مقابلوں کے باوجود ۔ یہ جملہ جاؤ تم سب آزاد ہو اس کو بدعت سے پاک کر دیتی ہے' اور یہ مسلمان ہو جاتا ہے۔ اور یہ پہلا شخص نہیں تھا' واحد شخص نہیں تھا' سارا مکہ راتوں رات مسلمان ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ کا کیا REACTION ہوا؟ جب عتاب بن

اسید نے کہا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ تو وہ شخص جو ابھی ایک منٹ پہلے مسلمانوں کا شدید ترین دشمن ہے اس کو رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ آپکو مکہ مکرمہ کا والی بنایا جاتا ہے' اور بطور روزینہ ایک درہم یومیہ مقرر کیا جاتا ہے۔ جس پر عتاب بن اسید نے کہا "اے لوگو! اللہ تعالی اس شخص کو بھوکا رکھے' جو ایک درہم میں بھی بھوکا رہے"۔ اور یہ رسول اللہ ﷺ کی وفات تک برابر مکہ کے امیر رہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ جب خلیفہ ہوئے تو ان کو برقرار رکھا۔ جس دن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی وفات ہوئی' اسی روز عتاب بن اسید کی وفات ہوئی۔

مدینہ منورہ پہنچ کر رسول اکرم ﷺ کو پھولوں کی سیج پر سونا نصیب نہیں ہوا؟

ایک پہلو آپ ﷺ کی سیرت ہجرت مدینہ ہے کہ آپ نے مکہ کو الوداع کہا۔ لیکن اسکے نتائج کیا تھے؟ وہ بھی آپ سن لیجئے تا کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ مدینہ منورہ پہنچ کر رسول اکرم ﷺ کو پھولوں کی سیج پر سونا نصیب نہیں ہوا' بلکہ انتہائی مشکل و دشوار کام آپ انجام دینا تھا۔ وہ یہ ہے کہ ہجرت سے کچھ پہلے مدینہ والے حج کے لئے مکہ گئے تھے' اور اتفاقاً عقبہ نامی مقام پر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی اور ایک گروہ کے چھ آدمی مسلمان ہوتے ہیں' اپنے وطن کو جاتے ہیں۔ اور دوسرے سال دوبارہ آتے ہیں' کوئی ۱۲ آدمیوں کے ساتھ۔ اور پھر حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ پر مسلمان ہو کر یہ بارہ لوگ درخواست کرتے ہیں کہ انہیں کچھ مبلغ اور معلم بھیجے جائیں۔ تو ایک اور شخص مکہ سے بھیجے جاتے ہیں۔ اور تیسرے سال اسی عقبہ میں کوئی ۷۲ آدمی آتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے اظہار اطاعت کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں جو چیز قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ دوسری بیعت عقبہ میں جب ۱۲ آدمی مسلمان ہوتے ہیں' یہ بارہ مختلف قبیلوں کے نمائندے ہیں' رسول اکرم ﷺ ہر ہر شخص کو اس کے قبیلہ کا سردار نامزد کرتے ہیں۔ نقیب اس کا نام ہے' اور نقیبوں کا نقیب جس کو نقیب النقباء کہتے ہیں' مدینہ کے علاقے کیلئے حضور اکرم ﷺ کا نائب' وہ بھی ان میں سے چلتے ہیں۔ یہ تھی تنظیم کی اسپرٹ جو رسول اکرم ﷺ میں ہمیں نظر آتی ہے کہ پہلے ہی

دن سے سارے مسلمانوں میں ایک تنظیم ہو۔ اور اس تنظیم کیلئے ہر قبیلہ کا ایک سردار اور اگر بہت سے قبیلہ ہیں تو ان سرداروں کا سردار اور ان سب کی ارتباط وجوڑ کی صورت مکہ کے ساتھ۔

سارے مدنی مسلمان آپ' کے آنے کی اطلاع سن کر دوڑے، لیکن!

اس کے بعد دوسرا پہلو دیکھیے! ہجرت کر کے آپ ﷺ مدینہ آتے ہیں، جس کے لیے میں نے اس بحث کا ذکر شروع کیا۔ بیعت عقبہ ہوتی ہے معراج کے بعد یعنی جب مسلمانوں پر نماز فرض ہو چکی۔ چنانچہ مدینہ کے لوگ جنہیں ہم انصار کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جب یہ اپنے وطن کو پہنچے یقیناً انہوں نے نمازیں شروع کیں روزانہ پانچ وقت کی نمازیں۔ ہمارے مورخ بیان کرتے ہیں، اگر امام کسی جماعت کا نماز کے لئے اگر قبیلہ خزرج کا ہوتا تو اوسی مسلمان اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اگر امام اوسی ہوتا تو خزرج والے اسکے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اتنی تھی ان میں دشمنی اور پرانی جنگوں کی یاد، کہ باوجود مسلمان ہو جانے کے بھی ان میں یکجہتی پیدا نہیں ہو سکی تھی۔ اور اس صورتحال سے نبٹنا پڑے گا ہمارے نبی ﷺ کو۔ ہمارے نبی ﷺ کو مدینہ آنے پر پھولوں کی سیج پر سونا نصیب نہیں ہوا۔ دوسری چیز رسول اکرم ﷺ خود ہجرت کر کے مدینہ آتے ہیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے۔ آپ کا قیام ہوتا ہے ابتداءً قبا نامی مقام پر۔ یہ شہر مدینہ کا جنوبی حصہ ہے۔ ظاہر ہے ہم بھی وہی کریں گے، سارے مدنی مسلمان آپ ﷺ کے آنے کی اطلاع سن کر دوڑتے ہیں تاکہ حضور اکرم ﷺ کو سلام کریں۔ جس شخص کو اسکی اپنی غیر معمولی اسلام سے دلچسپی اور صلاحیتوں کے بعد حضور ﷺ نے نقیب النقباء وائسراء مامور کیا تھا، ظاہر ہے کہ اس کو بھی حاضر ہونا چاہیے سلام عرض کرنے کیلئے۔ حضور اکرم ﷺ دیکھتے ہیں انتظار کرتے ہیں وہ نہیں آتا۔ آخر پوچھتے ہیں کیا اسعد ابن زرارہ کا کیا ہوا؟ کہاں ہے؟

اسعد بن زرارہ تھے قبیلہ خزرج کے فرد، اور حضور ﷺ کا قیام ہے اوس کے گاؤں میں قبا میں۔ تو قبا والے شرمندگی سے سر جھکا کر مؤدبانہ عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ! پانچ (۵) سال پہلے ایک جنگ ہوئی تھی۔ اسعد بن زرارہ نے ہمارے چند

سرداروں کو قتل کیا تھا۔ انہیں ہمارے یہاں آنے کی جرءت نہیں ہو سکتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ چپ ہو گئے کیا کرتے۔ ظہر کے بعد' عصر مغرب عشاء کی نماز ہوئی۔ حضور اکرم ﷺ ابھی بیٹھے ہوئے ہی ہیں' آرام کے لئے گئے نہیں تھے' کہ ایک شخص چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے' معلوم نہیں کون ہے؟ اندر داخل ہوتا ہے' حضور ﷺ کے سامنے پہنچ کر نقاب اٹھاتا ہے' یارسول اللہ ﷺ! السلام علیک! یہ تھے اسعد بن زرارہؓ! حضور اکرم ﷺ سے حیرت سے پوچھتے ہیں تم کیسے آئے؟ ان کا جواب تھا یارسول اللہ ﷺ آپ آئیں مدینہ! اور میں حاضر نہ ہوں! ناممکن ہے' جان پر کھیل کر آیا ہوں' اگر شہید کر دیا جاؤں تو آپ کی خدمت کے سلسلہ میں شہید ہونگا۔ اور میں اس کے لیے تیار ہو کر آیا ہوں۔ یہ تھی وہ دشواریاں جو رسول اللہ ﷺ کو وہاں درپیش تھیں۔

مہاجرین مکہ کو شہر مدینہ کی
اقتصادی حالت میں داخل کرنا ضروری تھا

وہاں آنے کے بعد غالباً میں گمان کرتا ہوں میری ذاتی رائے ہے کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتا۔ اگر مکہ والے جو ۱۳ سال سے اسلام کے خلاف جنگ کر رہے تھے' تکلیف دے رہے تھے' ہمارا دشمن ہمارے گھر سے چلا گیا' چپ ہو جاتے تو غالباً مسلمان بھی رفتہ رفتہ خاص کر مکی مسلمان ان پرانی تکلیفوں کو بھول جاتے اور ایک نئی زندگی شروع کر لیتے۔ لیکن مکہ والوں نے اس وقت بھی امن سے رہنے نہ دیا۔ اور خط بھیجا' الٹی میٹم کے طور پر اہل مدینہ کو' ہمارا دشمن تمہارے یہاں آگیا ہے' یا تو اس کو قتل کر دو' یا اسے اپنے ملک سے نکال باہر کرو! ورنہ ہم مناسب تدبیریں اختیار کریں گے' جنگ کی دھمکی دی۔ کوئی اور شخص اسے نظر انداز کر دیتا لیکن جس کو خدا نے اسوہ حسنہ بنا کر بھیجا ہے تو وہ اسے نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ ضرورت تھی کہ مناسب تدبیریں اختیار کی جائیں۔ کیا اسکی تدبیریں ہوں؟ مکہ سے کئی سو مسلمان مہاجر آئے ہوئے تھے۔ ان پر ان کے جسم کے لباس کے سواء ان کے پاس کوئی چیز نہیں تھی' نہ کھانے پینے کے لئے' نہ رہنے سہنے کے لئے' نہ مکان نہ کوئی اور صورت۔ ان کو شہر مدینہ کی اقتصادی حالت میں داخل کرنا ضروری تھا' خاص کر ڈفینس کے سلسلہ میں تو ضرورت اور بڑھ جاتی ہے۔ اس کا تجربہ آپ کو بھی ہے۔ پاکستان میں مہاجرین آتے ہیں تو کیا مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ ۳۰ سال گذرنے کے بعد بھی شاید پوری طرح ہمارے مہاجر

بھائی پاکستان میں ابھی تک متمکن نہیں ہو سکے ہیں۔ اب تو ایک نیا بھی قصہ پیدا ہو گیا ہے' کہ افغانی مہاجر بھی ہمارے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ان مہاجرین مکہ کو شہر مدینہ کی زندگی میں انسرٹ کر دینا' داخل کر دینا اس کو لفظی طور پر استعمال کر رہا ہوں' لٹرلی یعنی طرفۃ العین میں' پلک جھپکا دینے میں آپ ﷺ نے اس مسئلہ کو حل کر دیا۔ وہ کیا تھا کہ شہر مدینہ میں غریب' امیر سب ہی قسم کے لوگ تھے' حضور اکرم ﷺ نے دعوت دی' ذرا کھاتے پیتے خاندان کے افسروں کو' خاندان کے بڑوں کو' پھر وہ لوگ جمع ہوئے' اور ان سے مخاطب ہو کر حضور ﷺ فرماتے ہیں: "یہ مکہ والے تمہارے دین ہی کے بھائی ہیں' دینی بھائی ہیں' اور اسی دین کی خاطر تکلیف اٹھا کر اور خدا کی خاطر یہاں آئے ہوئے ہیں' اس وقت مصیبت میں ہیں' کیا یہ ممکن نہیں کہ تم میں کا ہر خاندان' ان کے ایک خاندان کو اپنے میں ملا لے اور دونوں مل کر ایک بڑا خاندان بن جائے؟ دونوں خاندانوں کے لوگ مل کر کمائیں' مل کر خرچ کریں' مل کر رہیں۔ انصار وہ لوگ ہیں جن کی قرآن مجید نے تعریف کی ہے ان الفاظ میں کہ: يؤثرون علىٰ انفسهم ولو كان بهم خصاصة: وہ مہاجرین کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں چاہے خود بھوکے کیوں نہ ہوں۔ ان الفاظ میں ان کی تعریف و ثناء کی گئی ہے۔ ظاہر ہے سب شرکت والوں نے کہا ہم خوشی سے آمادہ ہیں۔ چنانچہ تقریباً کوئی ایک سو مکی خاندان' کوئی ۵۰۰ مکی مسلمان' ایک سو مدنی خاندان کے ساتھ بھائی چارے کے ذریعہ سے' مؤاخات کے ذریعہ سے ملا دیے گئے۔ مہاجرین کا مسئلہ ایک سیکنڈ کے اندر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد دوسری تدبیر حضور اکرم ﷺ نے کیا فرمائی؟ شہر کے اندر کوئی سلطنت نہیں ہے' شہر میں بھی مسلمان ابھی اقلیت میں ہیں۔ اکثریت آبادی غیر مسلموں کی ہے۔ اس میں بہت سے بت پرست عرب ہیں۔ کوئی ۵۰۰۰ ہزار یہودی ہیں۔ کچھ عیسائی بھی ہیں' جن کی ٹھیک تعداد معلوم نہیں' شاید پچاس' ساٹھ ہو یا کچھ اس سے زیادہ ہو۔ مختلف قسم کے لوگ ہیں' اور ان میں کوئی ارتباط (جوڑ) نہیں۔

شہری مملکت مدینہ کا دستور مرتب کیا گیا، جو ۵۲ دفعات پر مشتمل ہے

حضور ﷺ اس مؤاخات کے ختم ہونے کے بعد' مسلمانوں کی دشواریاں حل ہونے کے بعد' سارے مختلف قبیلوں کو چاہے مسلمانوں کے ہوں' یا غیر مسلموں کے' دعوت

دیتے ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ یہ اجتماع ان کے باپ کے گھر میں ہوا تھا۔ لوگ آتے ہیں حضور اکرم ﷺ مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔ اس وقت تم میں کا ہر قبیلہ مستقل خود مختار ہے' بہت ٹھیک! لیکن ہے تنہا۔ اگر تم میں سے کسی پر دشمن حملہ کرے تو دوسرے سب لوگ غیر جانبدار رہتے ہیں' اگر تم میں کافی قوت ہے تو دشمن کا مقابلہ کر وسکو گے ورنہ ختم ہو جاؤ گے' کیا یہ مناسب نہیں ہو گا کہ تم سب مل کر اپنی ایک مرکزی تنظیم کرو؟ تاکہ اگر ایک پر حملہ ہو تو سارے لوگ اسکا ساتھ دیں' اسکی مدافعت میں حصہ لیں' تاکہ دشمن کو اول تو حملہ کرنے کی جسارت ہی نہ ہو۔ اور حملہ کر بھی دے' تو تمہاری متحدہ قوت اتنی ہو کہ دشمن کو شکست دے سکے۔ بات معقول تھی' مشرکین عرب نے بھی قبول کیا' یہودیوں نے بھی قبول کیا' ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے بھی قبول کیا' عیسائیوں کا نام اس میں نہیں آتا ہے' میرا شخصی گمان ہے کہ غالباً وہ اس میں شریک نہیں ہوئے۔ اس گمان کی وجہ یہ ہے کہ مدینہ کے عیسائیوں کا ایک سردار تھا ابو عامر الراہب اس کو کسی وجہ سے یہ حسن ظن ہو گیا تھا کہ آخری نبی میں خود ہوں' محمد ﷺ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا' ان سے جھگڑا اور کہا کہ تم نبی نہیں ہو' اصل میں نبی میں ہوں فلاں فلاں۔ ممکن ہے کہ وہ اور اس کے قبیلہ کے لوگ اس کے طرفدار لوگ یعنی عیسائی لوگ اس مرکزی تنظیم میں شریک نہیں ہوئے ہوں۔ بہر حال شہر کے آبادی کا بڑا حصہ اس تنظیم میں شریک ہو جاتا ہے' چاہتا ہے کہ ایک شہری مملکت' ایک سٹی اسٹیٹ قائم کرے' یعنی ایسی سلطنت جس کا رقبہ ایک شہر ہے' اس سے زیادہ نہیں۔ یہاں ایک اور عجیب و غریب چیز ثابت ہوتی ہے۔ وہ شخص جو امی ہے' جس کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا۔ وہ ہے مؤلف ایک ایسے دستور کا' جو تاریخ عالم میں پہلی مرتبہ تحریری طور سے مدون ہوتا ہے' یعنی شہری مملکت مدینہ کا دستور مرتب کیا گیا' جو تحریری ہے' خوش قسمتی سے وہ محفوظ ہے ۵۲ دفعات پر مشتمل ہے۔ جس میں اس مملکت کی ساری ضرورتوں کا جو اس وقت تھیں' سب تفصیل سے ذکر ہیں' وہ یہ کہ اس مملکت میں کون کون لوگ شریک ہیں' مدینہ کے انصار' مکہ کے مہاجرین' اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ تعاون کرنے اور انکے ہمراہ رہ کر مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہوئے' یعنی غیر مسلم۔ جو اب شریک ہوں یا بعد میں شریک ہوں' ان سب کے لیے گنجائش رکھی گئی ہے کہ شہری مملکت

کی رعیت بنیں۔ کہا گیا صراحت کے ساتھ کہ ساری دنیا کے مقابلہ میں ان کی ایک علیحدہ مستقل مملکت کی حیثیت ہے۔

سارے لوگ متفقہ طور پر رسول اللہ ﷺ کو اپنا بادشاہ بنالیتے ہیں

اس کے بعد اور چیزوں کے علاوہ یہ بھی ذکر کیا گیا ہے' جو ایک نیا ورلڈ آرڈر کہا جا سکتا ہے کہ ہر مذہب کے لوگوں کو مکمل داخلی خود اختیاری دی جاتی ہے' فرض کیجیے دو یہودی ہیں' ان میں جھگڑا ہوتا ہے' قانون یہودی ہوگا جج یہودی ہوگا' عدالت یہودی ہوگی' اور مسلمانوں کی عدالت میں ان کو اپیل کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی' وہ مکمل خود مختار ہیں۔ اور سول معاملات میں' یونین معاملات میں' اسی طرح عقائد اور عبادات وغیرہ ہر قسم کے معاملات میں کامل خود مختاری ہے' یہی آزادی دوسرے قبائل کو بھی دی گئی۔ مشرکین عرب کو بھی' اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو بھی۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ اس مملکت کا سردار کون ہو؟ اصولاً کوئی مدنی شخصیت ہونا چاہیے' کیونکہ مدینہ میں اس کا قیام عمل میں آیا' لیکن مدینہ میں جیسا میں نے ابھی آپ سے بیان کیا' کئی دشواریاں تھیں۔ مسلمان تھے' یہودی تھے' بت پرست تھے' عیسائی تھے۔' مختلف قسم کے لوگ تھے' عیسائی تو غالباً شریک نہیں ہوے۔ اگر مسلمان رسول اللہ ﷺ کو اپنا سردار بنانے پر آمادہ ہیں' یہ بھی ایک سوال ہے کہ کیوں رسول اللہ ﷺ کو بادشاہ بنائیں؟ اپنے میں سے کسی کو کیوں نہ بنائیں؟ میرا خیال ہے' چونکہ اہل مدینہ میں پھوٹ تھی' اوس اور خزرج میں سوا سو سال سے خانہ جنگی ہوتی آرہی تھی۔ اگر اوسی کو سردار بنائیں تو خزرجی قبول نہیں کرتا' خزرجی کو بنائیں تو اوسی قبول نہیں کر سکتا۔ لہٰذا کسی اجنبی ہی کو سردار بنانا چاہیے۔ تو مسلمانوں کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات بطور نبی کے اور بھی اہمیت رکھتی تھی' تو مسلمانوں نے خاموشی سے' خوش دلی سے رسول اللہ ﷺ کو اپنا سردار تسلیم کرلیا۔ اور لوگ کیوں آمادہ ہوئے؟ یہودیوں میں بھی یہی حالت تھی' پھوٹ تھی۔ اور مختلف یہودی قبیلوں میں خانہ جنگیوں کی وجہ سے وہ بھی چاہتے تھے کہ کوئی ایسا شخص ہو جو یہودی نہ ہو۔ کیونکہ ایک یہودی قبیلہ کا شخص سردار یہودی بنے' تو دوسرے یہودی نہیں مانتے ہیں' یہ

شخص ﷺ جو مدنی نہیں ہے' باہر سے آیا ہے' بظاہر بہت فرزانہ اور عقلمند بھی معلوم ہوتا ہے۔ اس کا کردار بھی ایسا ہے کہ بہت ہی دیانتدار' اور غیر جانبدار ہے' منصف مزاج ہے' اس طرح سارے لوگ متفقہ طور پر رسول اللہ ﷺ کو اپنا بادشاہ بنالیتے ہیں۔ نبی بھی ہیں بادشاہ بھی ہیں۔ اس پر حیرت نہ کیجئے! میں بھی آپ سے عرض کر چکا ہوں'

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور سارے انبیاء کو الگ الگ کر کے جو خصوصیتیں دی گئی تھیں' رسول اللہ ﷺ کو سب یک جا دی گئی ہیں۔ حضرت داؤد بن سلیمان علیہما السلام بادشاہ تھے' جیسا قرآن میں لکھا ہے ہمارے نبی بھی اگر بادشاہ بنیں تو حیرت نہیں ہونی چاہیے' نبی بھی ہوں بادشاہ بھی ہوں بوقت واحد۔ اس کام کے ختم ہونے کے بعد یعنی شہر مدینہ میں ایک مرکزی تنظیم پیدا کرنے' ساری آبادی کو ایک شہری مملکت میں داخل کر لینے' دفاع کے انتظامات' قانون سازی کے انتظامات' انشورنس کے انتظامات وغیرہ وغیرہ مکمل کرنے کے بعد' جن کی مزید تفصیل میں' میں جا نہیں سکتا' حضور اکرم ﷺ نے ایک تیسرا اقدام فرمایا' وہ یہ کہ شہر مدینہ کی آبادی کافی نہیں ہوگی اگر مکہ والے حملہ کریں' خاص طرح وہ اپنے حلیفوں کو ساتھ لیکر آئیں تو مقابلہ ممکن نہیں ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ مدینہ سے نکلنا شروع کرتے ہیں۔ کبھی مدینہ کے شمال میں جاتے ہیں' کبھی مشرق میں' کبھی جنوب میں' کبھی مغرب میں' اور ان قبائل کو جو وہاں بستے ہیں' سب کے سب غیر مسلم ہیں' ان کو ایک تجویز پیش کرتے ہیں۔ اس وقت تم خود مختار ہو لیکن تنہا ہو' تمہارا کوئی دشمن تم پر حملہ کرے تو تنہا مقابلہ کرنے پر مجبور ہو گے' اور اگر کوئی تمہاری مدد کو نہ آئے' تو تم ختم ہو جا سکتے ہو۔ کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ تم اور ہم حلیفی کرلیں۔ اگر تم پر تمہارا کوئی دشمن حملہ کرے تو ہم تمہاری مدد کو فوراً آئیں گے' اور ہم پر ہمارا کوئی دشمن حملہ کرے' اور ہم تمہیں بلائیں تو تم بھی ہماری مدد کو آنا۔ بات معقول تھی۔ ان سارے قبائل نے اسے قبول کیا۔ شمال میں جہینہ' مشرق میں فلاں' جنوب میں فلاں فلاں۔ ان سارے قبائل کے اس حلیفی کو قبول کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ چھوٹی سی شہری مملکت مکہ کے اطراف ایک سینیٹی کارڈل یعنی دوستوں کا علاقہ قائم ہو گیا۔ یعنی اگر مکہ والے حملہ کرنے پر آئیں تو مدینہ پہنچنے سے پہلے مدینہ کے دوستوں سے

مقابلہ کرنا ہوگا۔ رفتہ رفتہ اس میں اور وسعت ہو گی' اور یہ دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جائے گا۔

دشمن کومعاشی دباؤ کے ذریعہ زیر کیا جائے!

جب یہ کام مکمل ہوگیا تقریباً دو سال کی کوشش کے بعد' اس وقت رسول اکرم ﷺ بجائے مکہ پر حملہ کرنے' خون ریزی کا آغاز کرنے کے' وہ تدبیر اختیار فرماتے ہیں جسے میں "معاشی دباؤ" کا نام دوں گا۔ دشمن کو زیر کیا جائے لیکن تلوار کے ذریعہ سے نہیں' بلکہ معاشی دباؤ کے ذریعہ سے۔ اور وہ بھی مناسب طریقہ غیر مناسب طریقہ سے نہیں۔ حضور ﷺ نے کیا حکم دیا؟ شہر مکہ کی زندگی کیلئے ضروری تھا رحلة التشتاء و الصیف' یعنی تجارتی کاروان باہر لے جانا۔ جو کاروان شمال میں جاتے یعنی عراق اور شام اور اور مصر ان کو مدینہ کے پاس سے گذرنا ضروری تھا۔ حضور اکرم ﷺ یہ حکم دیتے ہیں کہ میرے گھر سے تم نہیں گذر سکتے! یعنی اسلامی علاقے سے تم گذر نہیں سکتے' انہیں غصہ آیا واہ! ہم تو وہاں سے صدیوں برابر گذرتے رہے ہیں' اور اب بھی گذریں گے۔ دیکھیں' کیسے تم ہمیں روکتے ہو! جب اس طرح کی سرزوری کرتے ہیں۔ تو رسول اکرم ﷺ فوجی دستے روانہ کرتے ہیں' کہ ان کو بزور روکا جائے۔ لیکن ابھی انتظامات اس زمانے کے ایسے نہیں تھے۔ کہ اول تو دشمن مکہ سے چلا ہے اس کی اطلاع دیر سے ملتی۔ راستہ بلکل کھلا تھا' اگر اس مقام پر روکیں تو آدمی اس سے ذرا ہٹ کر' آدمی آگے بڑھ جاتے ہیں' روکنا آسان نہیں تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ آٹھ دس ٹولیاں جو وقتاً فوقتاً بھیجی گئیں کاروانوں کو روکنے کی' وہ ناکام ہوئیں۔ پھر اطلاع ملی کہ ایک بڑا کاروان ابو سفیان کی سرداری میں شمال جا رہا ہے شام کو۔ اس وقت حضور اکرم ﷺ خود نکلتے ہیں' کوئی ۲۰۰' ۳۰۰ آدمیوں کو ساتھ لیکر' کہ ان کو بزور روکیں' لیکن اس کی اطلاع دیر سے ملی تھی' اور دشمن بچ نکلتا ہے' اسے روکا نہیں جاسکتا۔

حضور اکرم ﷺ کی صلاحیتوں کا ایک نیا مظاہرہ

اس وقت ہم حضور اکرم ﷺ کی صلاحیتوں کا ایک نیا مظاہرہ کرتے ہیں۔ دو جاسوسوں کو روانہ کیا جاتا ہے کہ تم اس کاروان کے پیچھے پیچھے جاؤ شام تک' اس کے قریب

مقیم رہو۔ اطلاع رکھو کہ وہ کب واپسی کے لئے روانہ ہوتے ہیں۔ جیسے ہی معلوم ہو کہ مکہ کی طرف جارہے ہیں' تیزی سے آکر ہمیں مدینہ میں اطلاع دو۔ تاکہ تیزی کے اطلاع کے باعث ہم دشمن کا مقابلہ کر سکیں' اس کو روک سکیں' اس کو لوٹ سکیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ اس دو سال کے عرصہ میں اسلامی انتظامات اتنے مستحکم ہو چکے تھے' کہ وہ دونوں جاسوس آئے مدینہ' دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کو اطلاع کسی اور کے ذریعہ مل چکی ہے اور مدینہ چھوڑ کر آگے روانہ ہو چکے ہیں۔ یہ جنگ بدر کا واقعہ ہے۔ بدر مدینہ کے جنوب میں ہے۔ کاروان آرہا ہے مدینہ کے شمال سے تو دشمن کو روکنے کے لئے مدینہ کے شمال میں جانے کے بجائے مدینہ کے جنوب میں جاتے ہیں۔ تاکہ یقین رہے کہ دشمن بہر حال ہمیں نظر آئے ۔یہ نہیں کہ ہمارے ایک گھنٹے کی دیر سے پہنچنے کے بعد دشمن نکل جائے۔ اور ہماری کوششیں بے سود ہوں۔ چنانچہ جنوب میں جاتے ہیں ایک ایسے مقام پر جو ایک وادی ہے اور اس وادی کے اطراف بہت بلند پہاڑ ہیں' صرف ایک راستہ ہے جو شمالاً جنوباً اس علاقہ سے گذرتا ہے۔ تو حضور اکرم ﷺ وہاں پہنچتے ہیں اور یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ابھی دشمن بدر سے نہیں گذرا ہے! دو جاسوس روانہ کرتے ہیں۔ شہر بدر میں آتا ہے' وہاں کے کلب میں پہنچتا ہے' یعنی پانی کے کنویں پر۔ پانی کے کنویں پر ہر وقت کوئی نہ کوئی شخص موجود ہوتا ہے' یا جلدی آجاتا ہے۔ چنانچہ یہ دو سپاہی وہاں پہنچے اور بہانہ کیا کہ ہم مسافر ہیں پیاس لگی ہے تھوڑا سا پانی دو! وہاں دو لڑکیاں پانی بھرنے کے کام میں مشغول تھیں اپنے قبیلہ کے لئے' اور آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ ایک لڑکی نے دوسری سے کہا: بہنا! میں تیری مقروض ہوں' لیکن جلد ہی ابو سفیان کا کاروان آنے والا ہے' میں اس کی خدمت کروں گی' وہ مجھے بخشش ملے گی' اس کی مدد سے میں تیرا قرضہ پانچ درہم ادا کروں گی۔ مسلمان جاسوسوں نے سنا' ان کے لئے کافی تھا' وہ یہ ہی معلوم کرنا چاہتے تھے' کہ ابو سفیان یا گذر چکا ہے یا نہیں گذرا ہے۔ جیسے ہی یہ اطلاع ملی وہ بھاگے ہوئے پہنچتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس۔ پھر کمین گاہ وغیرہ کا انتظام ہوتا ہے' کچھ دیر بعد ابو سفیان بھی وہاں پہنچتا ہے اور اسے اطلاع مل چکی تھی کہ جاتے وقت بھی مسلمانوں نے اس کا تعاقب کیا تھا۔ اس وقت وہ ذرا چوکنا رہتا ہے' چنانچہ قافلہ کو بدر کی وادی کے باہر ہی چھوڑ کر خود تنہا شہر کے اندر آتا ہے اور اس کی ملاقات ھی وہاں کے سردار سے' اس کے پاس پہنچ کر اس سے پوچھتا ہے کہ

کیا کوئی نئی بات ہوئی ہے؟ کیا اجنبی لوگ کوئی یہاں آئے ہیں؟ وہ یقین دلاتا ہے کہ بلکل امن امان ہے یہاں کوئی شخص اجنبی آیا نہیں ہے' البتہ کوئی ایک گھنٹہ پہلے' دو گھنٹہ پہلے دو مسافر بدوی یہاں سے گزر رہے تھے' ان کو پیاس لگی تھی' آئے تھے کنویں سے پاس پانی پیا اور چلے گئے۔ لیکن ابو سفیان تھا فرزانہ اور سیانا شخص' پوچھنے لگا کدھر گئے؟ پھر اسی کے پیچھے پیچھے جاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اونٹوں کی لید کچھ پڑی ہوئی ہے تازہ' ان میں ایک ڈھیلے کو اٹھاتا ہے' اسے توڑتا ہے' اندر سے کھجور کی گٹھلی نظر آئی۔ فوراً سمجھا کہ یہ لوگ بدر کے اونٹوں پر سوار نہیں ہیں' کیونکہ بدر میں گھاس کھائیں گے' یہ لوگ ہیں مسافر! اور اونٹوں کی غذا اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں یعنی اونٹوں کی گٹھلیاں' ہو نہ ہو' اور یہ مسلمان ہی ہیں۔ چنانچہ بھاگا ہوا اپنے کیمپ میں پہنچتا ہے اور بدر کے شہر میں آنے کے بجائے اسے چھوڑ کر دوسرے راستہ سے ساحل کے کنارے کنارے مکہ کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔ اور جانے سے پہلے بدر کے ایک بدری کو انعام دیکر کہتا ہے کہ مکہ جاؤ اور وہاں اعلان کرو کہ تمہارا کاروان تجارت خطرے میں ہے۔ چنانچہ وہ شخص مکہ جاتا ہے اور اس زمانے کے عادت کے مطابق سارے کپڑے اتار کر بلکل ننگا چلاتا ہے' دوڑو! دوڑو! لوگ آئے' کیا واقعہ ہے؟ تو کہا کہ ابو سفیان نے کہا ہے کہ تمہارا کاروان تجارت خطرے میں ہے' فوراً ہی مکہ والے جن کی لاکھوں کی جائیداد اس کے اندر تھی' ہزاروں کی جائیداد تھی' فوراً تیاری کرتے ہیں۔ اور ابو جہل کی سرداری میں روانہ ہوتے ہیں۔ دو دن کے بعد جب ابو سفیان نے دیکھا کہ وہ مسلمانوں کے تعاقب سے بچ چکا ہے تو ایک نیا پیغام رساں روانہ کرتا ہے مکہ' یہ اطلاع دینے کے لئے اب تمہیں زحمت کرنے کوئی ضرورت نہیں ہے ہم بچ چکے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی جنگی صلاحیتوں کا مظاہرہ ہوتا ہے

ابو جہل نے کہا نہیں! جانا چاہیے' ایک مرتبہ ہمیشہ کے لیے دشمن کا خاتمہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ وہ آگے بڑھتا ہے' اور چلا آتا ہے اور بدر پہنچتا ہے۔ ادھر کمین گاہ میں رسول اللہ ﷺ انتظار کرتے ہیں ایک دن دو دن' اور دشمن نہیں آتا یعنی ابو سفیان کا کاروان نہیں آتا' پھر اطلاع ملتی ہے کہ ابو سفیان کا کاروان دوسرے راستہ سے گزر چکا ہے۔ البتہ مکہ

والے چڑھ دوڑ رہے ہیں' بدر کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ اس وقت آپ پھر مشورہ کرتے ہیں کہ کیا کرنا چاہیے؟ اور آپ ﷺ کی جنگی صلاحیتوں کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ میں اسکی تفصیل میں جا نہیں سکتا۔ بہر حال اس طرح بدر کی جنگ ہوتی ہے۔ تو جب بدر کی جنگ میں دشمن کو جب شکست ہوئی تو اس نے کہا کہ اب پوری طاقت سے مسلمانوں پر حملہ کر کے انکا بلکل ہی خاتمہ کر دینا چاہیے۔ چنانچہ پھر دشمن اپنے حلیفوں وغیرہ کو لیکر حملہ کرتا ہے' احد کی جنگ ہوتی ہے' پھر خندق کی جنگ ہوتی ہے' پھر حدیبیہ کا معاہدہ ہوتا ہے' پھر خیبر کی جنگ ہوتی ہے' پھر مکہ پر قبضہ ہوتا ہے۔ اس وقت صرف ایک چیز کا ذکر کر کے ختم کروں گا کیونکہ طویل وقت میں آپ کا لے چکا ہوں' وہ یہ کہ حدیبیہ کی صلح۔

حدیبیہ کی صلح!

خیبر کی جنگ جب فیصلہ کن ثابت نہیں ہوئی اور مکہ والے واپس چلے گئے' تو اس وقت سے رسول اکرم ﷺ نے یہ کاروائی شروع کی کہ مکہ والوں کا دل موہ لینا چاہیے' بجائے اس کے کہ ان کو جنگ کر کے زیر کیا جائے۔ دوستی کے ذریعہ سے' ان کو دوست بنا کر ان سے لڑائی جھگڑے کو ختم کیا جائے' امن حاصل کیا جائے۔ اس زمانہ میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ مکہ میں شدید قحط تھا' بارش بھی نہیں ہوئی تھی۔ رسول اکرم ﷺ پانچ سو (۵۰۰) اشرفیوں کی رقم' یہ آج بھی خطیر رقم کہی جا سکتی ہے' مکہ والوں کو چندے میں آپ نے روانہ کی' کہ غریبوں اور مفلسوں کو کھلانے پلانے میں خرچ کیا جائے۔ اس وقت ابو سفیان ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے' اس رقم کو رد تو نہیں کیا' قبول کرنے سے انکار نہیں کر سکا۔ پھر جناب رسول اللہ ﷺ ابو سفیان کی بیٹی کو عزت بخشی اور نکاح کر لیا' بہر حال مؤرخ لکھتے ہیں کہ اس تاریخ کے بعد سے ابو سفیان کا دل نرم پڑ گیا' اپنے ہی داماد سے جنگ کرنا تھا۔ تو اس طرح اس کی دشمنی گھٹ گئی' ختم نہیں ہوئی۔

ہم جنگ کیلئے نہیں جا رہے
بلکہ عمرہ کیلئے جا رہے ہیں!

یہ تدبیریں ابتدائی تھیں' انجام دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ اعلان کرتے ہیں کہ ہم عمرہ کرنے کے لیے مکہ جا رہے ہیں۔ اس وقت تک کعبہ مسلمانوں کا ملک نہیں ہے' بلکہ

مشرکین مکہ کی عبادتگاہ ہے۔اس کی دوسرے الفاظ میں' میں یوں تعبیر کر سکتا ہوں کہ دشمن کی عبادتگاہ کا اعزاز کرنے کے لئے مسلمان جارہے ہیں' مکہ والوں کو نفسیاتی طور پر خوشی ہوئی کہ ہماری عبادتگاہ کو بھی ہمارا دشمن عزت بخش رہا ہے۔ یہ شاید بظاہر اس کا منشأ تھا کہ مکہ والوں کو خوش کرنے کی کوشش کی جائے لڑائی مقصود نہیں ہے۔اس زمانے میں جاتے ہیں' ذی القعدۃ کے مہینہ میں' جبکہ حرام مہینہ ہونے کے باعث مکہ والے جنگ نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ مسلمان بھی اعلان کرتے ہیں' ہم جنگ کیلئے نہیں جارہے بلکہ عمرہ کیلئے جارہے ہیں۔

اس صلح میں مشرکین مکہ کا پہلو غالب نظر آتا ہے !

وہاں پہنچتے ہیں اسکے حالات سے آپ واقف ہیں' بڑی طویل گفت و شنید کے بعد بالآخر صلح ہوتی ہے۔ مگر اس صلح میں مکہ کے مشرکین کا پہلو غالب نظر آتا ہے۔انہیں ان کی منہ مانگی شرطیں دی گئی ہیں۔ایک طرح سے مسلمانوں کو دب کر صلح کرنی پڑی۔کیونکہ صلح کا ایک جزء یہ تھا کہ اگر کوئی مکہ والا مسلمانوں کے پاس آکر پناہ گزین ہو تو مطالبہ پر اسکی تحویل عمل میں آئے گی۔اس کے برخلاف اگر مسلمانوں کا کوئی شخص مکہ میں آئے تو اسکی واپسی وہ نہیں کرینگے۔اس طرح یکطرفہ دباؤ والی شرط اس میں نظر آتی ہے۔

ضرورت پر دب کر صلح کی جا سکتی ہے!

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اسے کیوں قبول کیا؟اس کی تفصیل نہ سیرت النبی ﷺ کی کسی کتاب میں مجھے ملی' نہ حدیث کی کسی کتاب میں' ملی تو فقہ کی ایک کتاب میں۔ امام سرخسی رحمۃاللہ علیہ ایک مشہور حنفی فقیہ گزرے ہیں' ان کی کتاب المبسوط ۳۰ جلدوں میں چھپی ہے' اس میں ایک مقام پر وہ لکھتے ہیں کہ ضرورت پر دب کر صلح کی جاسکتی ہے۔اور دلیل میں وہ کہتے ہیں کہ خود رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ میں ایسا ہی فرمایا تھا۔ پھر اس کی وجہ لکھتے ہیں کہ کیوں رسول اللہ ﷺ نے قبول کیا تھا؟ آپ کو شکست نہیں ہوئی تھی' ہمیشہ آپ ﷺ غالب رہے تھے۔اس کے باوجود آپ مکہ والوں سے دب کر صلح کرتے ہیں۔اس وجہ یہ لکھتے ہیں اس وقت مسلمانوں کے دو دشمن تھے۔ایک مدینہ کے

شمال میں خیبر کے یہودی دوسرے مدینہ کے جنوب میں مکہ کے مشرک' دونوں دشمن شدید ترین دشمن تھے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان دونوں میں حلیفی تھی۔ مکہ والوں نے اور خیبر والوں نے حلیفی کی کہ اگر مسلمان ان میں سے کسی ایک پر حملہ کریں تو فوراً ہی دوسرا فریق مدینہ پر چڑھ دوڑے۔ جو فوج سے خالی ہو گا' اسے لوٹ لیا جائے اور وہاں کے عورتوں' بچوں کو قتل کر لیا جائے۔ اگر مسلمان خیبر کو جاتے ہیں' تو مکہ والے پیچھے سے حملہ کریں گے۔ اگر مسلمان مکہ کو جاتے ہیں تو خیبر والے مدینہ پر حملہ کریں گے۔ ضرورت تھی کہ ان دو دشمنوں میں سے کسی ایک پر حملہ کیا جائے اور دوسرے کو خاموش کیا جائے۔ حضور اکرم ﷺ نے سوچا کہ خیبر والے یہودی صلح پر آمادہ نہیں ہونگے' فلاں فلاں وجوہ سے۔ میرے پاس وقت نہیں تفصیل بیان کرنے کے لئے۔ مناسب یہ ہے کہ مکہ والوں کو چاہت دلائی جائے کہ وہ مسلمانوں سے صلح کریں۔ اس لیے حضور اکرم ﷺ کے الفاظ ہیں: آج وہ جو چیز بھی مانگے' میں ان کو دینے کیلئے کو تیار ہوں۔ اس طرح حدیبیہ میں آپ چاہتے تھے کہ مکہ والوں سے صلح ہو' ہر چیز دینے کو آمادہ' صرف ایک شرط پر کہ وہ مسلمانوں اور کسی تیسری مملکت کے درمیان اگر جنگ ہو تو وہ غیر جانبدار رہیں یعنی نام تو نہیں لیا گیا' اگر مسلمانوں اور خیبر والوں میں جنگ ہو تو مکہ والے غیر جانبدار رہیں' مسلمانوں کے خلاف کوئی حرکت نہ کریں۔ اس غرض کے لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو بھی مانگو دینے کے لیے تیار ہوں۔ اور اس طرح علاوہ اور شرطوں کے' یہ شرط بھی منظور کی کہ یکطرفہ تحویل منظور ہے' اور قریش کو اجازت رہے کہ اسلامی علاقہ سے آزادانہ گذر کر تجارتی کاروبار کریں' اور فلاں فلاں بہت سی چیزیں۔ لیکن دس سال تک یہ صلح رہے گی۔

لیکن سیرت النبی ﷺ ناپیدہ کنار دریاء ہے!

اس طرح ہمیں نظر آتا ہے رسول اکرم ﷺ جو جامع الصفات ہیں' دینی نقطہ نظر سے عبادتی' عقائدی نظام ہمیں پیش کرتے ہیں' اور اخلاقی نظام پیش کرتے ہیں' سیاسی نظام پیش کرتیں ہیں' فوجی نظام پیش کرتے ہیں' حکومت قائم کر کے اور چلا کر دکھاتے ہیں۔ اس مقام پر جہاں کوئی حکومت نہیں تھی۔ اس کا ہر ہر دفتر' اس کا ہر ہر شعبہ خود قائم کر کے

اور تجربوں کے ذریعہ سے ' اسے ترقی دیتے جاتے ہیں۔ یہ چند چیزیں ہیں جو میں آپ سے عرض کر سکا۔ لیکن یہ ناپیدہ کنار ایک دریاء ہے ' بیشمار چیزیں بیان کرنی ہیں۔ میں حاضر ہوں ' اگر آپ سوال کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ بہر حال میں ان چند مختصر چیزوں کے ذکر کرنے پر ختم کرتا ہوں۔

السلام علیکم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دوسرا خطاب حیدرآباد بلدیہ میں

محترم صدر! محترم بھائیو! اور بہنو!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ وآلہ وصحبہ اجمعین!

مجھے آپ لوگوں نے نہ صرف عزت بخشی ہے' بلکہ عزت افزائی فرمائی ہے' حیدرآباد جیسے شہر کی بلدیہ مجھے اپنے یہاں دعوت دیتی ہے' یہ ایک عزت ہے۔ سیرت النبی ﷺ کے متعلق آپ سے کچھ عرض کرنا یہ میرے لیے سعادت کا باعث ہے' یہ میرے لیے دوسری عزت ہے۔ بہرحال میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ لیکن حضرات گرامی! غلط توقع آپ نہ رکھیں' میں کوئی خطیب ہوں نہ عالم ہوں۔ سیرت النبی ﷺ کے متعلق بچپن سے شوق رہا ہے' جو معلومات مجھے اپنے قریبی زندگی میں مختلف کتابوں کے پڑھنے سے حاصل ہوئی' ان کا کچھ حصہ آپ کی خدمت میں عرض کروں گا۔

رسول اللہ ﷺ شاید سندھ بھی تشریف لاچکے ہوں

ماحول کی مناسبت سے کہ ہم سندھ میں ہیں' شاید ایک دو چیزیں میں شروع میں آپ کو ایسی بیان کروں جن کا تعلق سیرت پاک اور ساتھ ہی سندھ سے ہے۔ دو چیزیں ذہن میں آتی ہیں' ایک کا تعلق ہے رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے نبوت سے پہلے' اور دوسری کا تعلق ہے نبوت کے زمانہ سے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ جس وقت رسول کریم ﷺ بعض ضرورتوں سے جو غالباً تجارتی تھیں' اس علاقے میں تشریف لائے جسے آج کل ہم بحرین اور عمان کا نام دیتے ہیں' یعنی جزیرہ نما عرب کا مشرقی حصہ' وہاں اس کا ذکر ملتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا سندھیوں سے تعارف حاصل ہوا۔ گمان کیا جا سکتا ہے کہ شاید رسول اللہ ﷺ ذرا اور آگے بڑھ کر' بحرین اور عمان سے آگے بڑھ کر شاید سندھ بھی تشریف لاچکے ہوں۔ لیکن اس کا ثبوت نہیں ہے' اس لیے اس بارے میں جرئت نہیں کر سکتا۔

لیکن یہ واقعہ کہ حضور اکرم ﷺ کو موقع ملا کہ سندھیوں سے ملیں' یہ واقعہ یقیناً آپ کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگا۔

پہلا واقعہ جو سندھ کے سلسلہ میں ہے

اس لیے اولاً مختصراً اس کا ذکر کرتا ہوں۔ ایک مشہور مؤرخ گذرا ہے مسلمانوں کا' محمد ابن حبیب۔ بہت قدیم مؤرخ ہے ۲۴۵ھ میں اس کی وفات ہوئی۔ اس کی ایک کتاب ہے کتاب المحبر' اس کا دنیا میں واحد مخطوطہ برٹش میوزم لندن میں ہے' اسے شایع کر دیا گیا ہے۔ اس میں ایک بات ہے بہت دلچسپ' جس کا عنوان ہے "عرب کے سالانہ میلے" مختلف مقامات پہ جو میلا لگتا تھا' اس کے اس میں حالات تفصیل سے بیان کیے ہیں' کہ کس مقام پر' کس مہینے کی کس تاریخ کو' لوگ جمع ہوتے تھے' وہاں کیا سامان فروخت ہوتا تھا' وہاں کس کس ملک کے لوگ آیا کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ تو معاشیات کے طالب علموں کے لیئے وہ بہت ہی دلچسپ بات ہے۔ اس باب کا ایک فقرہ میں آپ کو سناتا ہوں۔ لکھا ہے کہ ایک مقام تھا مشرقی عرب میں جس کا نام ہے "دبا" یہ مقام آج بھی موجود ہے۔ یونائیٹیڈ عرب امیریٹ نامی جو نئی ریاست قائم ہوئی ہے اس میں شہر فجیرہ کے شمال میں یہ بندرگاہ دبا کی آج بھی موجود ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے کہ عرب کی جو سب سے بڑی بندرگاہوں میں سے ایک بندرگاہ ہے "دبا" کی۔ اور یہ کہ اس مقام پر سالانہ فلاں تاریخ کو شاید رجب کی ۲۵/۲۶ لکھا ہے' اس تاریخ کو ایک عظیم الشان International میلہ لگتا ہے تاجروں کا۔ جس میں شرکت کرتے ہیں چین کے لوگ' 'ہند کے لوگ' سندھ کے لوگ' ایرانی لوگ' رومی لوگ' مشرق کے لوگ' مغرب کے لوگ۔ یہ ہیں اس کے الفاظ' اسے پیش نظر رکھیے' اس کے بعد ہم آگے بڑھتے ہیں۔ ایک حدیث ہے جسے' امام بخاری کے استاد امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مسند میں درج کیا ہے۔ اور وہ حدیث تقریباً ڈیڑھ صفحہ پر مشتمل ہے۔ بڑی لمبی اور غیر معمولی طرز سے طویل حدیث ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ ایک دن قبیلہ عبدالقیس کا ایک وفد مدینہ آیا' اور مسلمان ہوا' یا مسلمان ہونے کے لئے آیا' تو رسول اکرم ﷺ نے اس وقت کے لوگوں سے بہت ہی مہربانی کا برتاؤ کیا' حتی کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ظرافت اور ہنسی مزاح بھی ان سے کیا۔ چنانچہ سب سے

پہلے ان سے کہا کہ کیا تم لوگ مجھے اپنا کوئی تحفہ نہیں دو گے! ظاہر ہے کہ آپ کو تحفہ کی ضرورت نہ تھی' لیکن اظہار محبت کے لئے فرمایا کہ کیا تم مجھے کوئی تحفہ نہیں دو گے! وہ لوگ بڑی خوشی سے بھاگے اور ہر شخص اپنے سامان میں سے کچھ کھجور لے آیا' حضور اکرم ﷺ کے سامنے پیش کیا' چنانچہ ایک دستر خوان پر بچھادی گئیں۔ رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی' آپ ﷺ اس سے اشارہ کرتے ہیں' کیا اس کھجور کا نام برنی نہیں ہے؟ ہاں یا رسول اللہ ﷺ' کیا اس کھجور کا نام فلاں نہیں ہے؟ کیا اس کھجور کا نام فلاں نہیں ہے؟ حیرت سے وہ لوگ کہتے ہیں' ہاں یا رسول اللہ ﷺ ایسا ہی ہے۔ پھر آپ ﷺ پوچھتے ہیں کیا فلاں گاؤں ابھی موجود ہے تمہارے ملک میں؟ کہتے' ہاں یا رسول اللہ ﷺ۔ فلاں سردار فلاں نامی جو سردار تھا' کیا وہ ابھی زندہ ہے؟ ہاں یا رسول اللہ ﷺ۔ جب ان سے اس طرح کی چیزیں پوچھی گئیں تو آخر میں حیرت زدہ ہو کر وہ کہتے ہیں' یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہمارے ملک' ہمارے شہروں اور ہمارے سردار سے ہم سے بھی زیادہ واقف نظر آتے ہیں' یہ کیسے؟ تو حضور اکرم ﷺ کے الفاظ امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے درج کئے ہیں "میں اس مقام کو گیا ہوں بہت دن تک میرے پاؤں اس سرزمین کو روندتے رہے ہیں۔ وہاں کے "قلعہ مشقر" کی چابیاں میں نے حاصل کی ہیں۔ اور وہاں کے قریب جو چشمہ زارہ ہے' میں وہاں کھڑا بھی ہوا تھا کچھ عرصے کیلئے' اور فلاں فلاں' کچھ اس طرح کی تفصیل ہے۔

آپ ﷺ اس میلے میں شریک ہوئے، جہاں سندھی بھی جمع ہوتے تھے

اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ رسول اکرم ﷺ تجارت کے سلسلے میں غالباً حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سامان لے کر نہ صرف شام گئے تھے' نہ صرف یمن گئے تھے' بلکہ مشرقی عرب کے اس علاقے میں جو قبیلہ عبدالقیس کی سرزمین تھی وہاں بھی آپ ﷺ تشریف لے گئے تھے۔ یہ علاقہ وہی ہے جہاں آجکل پیٹرول نکلا ہے' زہران اور العساکر وغیرہ۔ اس علاقے ہی کے پاس ہے' وہ مشہور میلہ 'دبا" جو ہر سال لگا کرتا تھا۔ گمان کیا جا سکتا ہے' میرے خیال میں اس استنباط سے آپ کو اعتراض نہ ہوگا'۔ غالباً رسول

اکرم ﷺ اس میلے میں شرکت کے لئے وہاں سے گذرے تھے' یعنی قبیلہ عبدالقیس کی سرزمین سے' اور اس طرح آپ ﷺ اس میلے میں شریک ہوئے' جہاں سندھی بھی جمع ہوتے تھے' ہندی بھی جمع ہوتے تھے' چینی بھی جمع ہوتے تھے' یونانی بھی' ایرانی بھی' فلاں فلاں بھی۔ یہ ایک چھوٹا سا واقعہ ہے' لیکن ظاہر ہے کہ ہمارے لیے بہت عجیب ہوگا' کیونکہ ہماری سرزمین سے رسول اللہ ﷺ سے تعلق کی ایک نئی اطلاع ہمیں ملتی ہے۔

دوسرا وہ واقعہ جو سندھ کے سلسلہ میں ہے!

دوسرا واقعہ جو سندھ کے سلسلہ میں ہے رسول اکرم ﷺ کی سیرت پاک میں ہمیں درج ملتا ہے' وہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ مختلف ضرورتوں سے خطوط لکھا کرتے تھے۔ بادشاہوں کے نام' کہ اسلام لاؤ! قبیلوں کے سرداروں کے نام' فلاں کام انجام دو' اپنے گورنروں کے نام کہ فلاں چیز کی جائے' گورنروں کے سوالات کے جوابات۔ غرض حضور اکرم ﷺ کے مکتوبات اس وقت تک جو دستیاب ہو چکے ہیں' ۳۰۰ (تین سو) سے زیادہ ہیں۔ ان کی اولین تدوین ایک شخص نے کی تھی' جس کا نام ہے ابو جعفر دیبلی۔ دیبل کا علاقہ آپ ہی کے علاقے میں واقع ہے۔ اور خوش قسمتی ہے تاریخ کی' سیرت کی' اور ہم سب کی' وہ چھوٹا سا رسالہ جسے مکتوبات نبوی ﷺ کو بہت قدیم زمانے میں تقریباً ۱۰۰۰ (ایک ہزار) سال سے زیادہ عرصہ قبل ابو جعفر دیبلی نے مدون کیا تھا' وہ چھپ بھی گیا ہے' اور دستیاب بھی ہے۔ یہ چند چیزیں تھیں' جو بطور تمہید' میں نے آپ سے عرض کیں۔

کہاں سیرت پاک ﷺ پر کچھ عرض کرنا؟ جو ایک ناپیدہ کنار کے مانند ہے۔ رسول اکرم ﷺ کو خود ہمارے خالق پروردگار نے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے عام الفاظ میں لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ آپ ﷺ نمونہ اور قابل تقلید نمونہ ہیں سارے لوگوں کے لئے' بلا استثناء کسی خاص گروہ کے۔ بادشاہ کیلئے بھی' فقیر کیلئے بھی' سپہ سالار کیلئے بھی' عام انسان کیلئے بھی' عورت کیلئے بھی' مرد کیلئے بھی' سبھی کیلئے۔ ان حالات میں اس شخص کی سوانح زندگی جو سارے انسانوں کے متعلق تھی' اور ساتھ ہی اس شخصیت کی زندگی' جس کے معلومات تاریخ نے بیحد احتیاط کے ساتھ جمع کئے' مدون کئے' اور ہم تک

پہنچائے۔ مسند احمد بن حنبل میں ایک حدیث ہے، خدا نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر مجھ تک یعنی رسول کرم ﷺ تک ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کے حالات بہت دور، ان کے نام بھی ہمیں پوری طرح معلوم نہیں، مشکل سے پچیس تیس پیغمبروں کے نام آتے ہیں، ان پچیس تیس پیغمبروں میں سے بھی مشکل سے دو چار کے حالات ہمیں کسی قدر تفصیل کے ساتھ ملتے ہیں۔ اس تفصیل سے کہ زیادہ سے زیادہ صفحے بنیں، بہت سے لوگ دو صفحوں میں ختم ہو جاتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کے حالات پر جو کتابیں لکھیں گئی ہیں، وہ تیس تیس جلدوں میں، چالیس جلدوں میں لکھیں گئی ہیں۔ ان حالات میں آپ کے سامنے اس کے ہر پہلو پر روشنی ڈالنا ناممکن ہے، اس لئے میں مجبور ہوں کہ اس کے کسی ایک پہلو پر یا چند پہلوؤں پر مختصر سی روشنی ڈالوں، کیونکہ وقت بھی محدود ہے، زیادہ وقت میں آپ کا لے نہیں سکتا۔ صبح بھی میں نے کچھ چیزیں بیان کیں یونیورسٹی میں، جن کا تعلق تھا رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی سے، کہ آپ ﷺ نے کس طرح حکومت قائم کی، اس حکومت کے دفاع کیلئے کیا انتظامات کیئے؟ دشمنون سے کس طرح مقابلہ کیا؟ اور سپہ سالاری کے کیسے کیسے حیرت ناک نمونے پیش کیئے؟ کہ انسانی خون کی عزت بھی ہو، بہت بڑی تعداد میں آنے والے دشمن کو زیر بھی کیا جائے، اور زیر شدہ دشمنوں کا دل اس طرح موہ لیا جائے کہ خلوص دل سے مسلمان بھی ہو جائے وغیرہ وغیرہ کچھ چیزیں میں نے بیان کیں۔

موزون یہ ہوگا کہ آج رسول اکرم ﷺ کے دین کے متعلق کچھ چیزیں

کل مجھے کراچی میں ایک لیکچر دینا پڑا، وہاں کی انجنیئرنگ یونیورسٹی میں، میرا خیال ہے کہ جس مقام پر تقریر کی جائے اس کی مناسبت سے کچھ چیزیں بیان کی جائیں۔ انجنیئرنگ کالج میں اگر میں عہد نبوی کی شاعری پر بیان کروں، چیز دلچسپ ہے، لیکن سننے والوں کو نہ کوئی دلچسپی ہو سکتی ہے نہ کوئی فائدہ۔ چند دن پہلے میں بہاول پور میں تھا، وہاں مجھے میڈیکل کالج میں دعوت دی گئی۔ ظاہر ہے وہاں مجھے علم طب کی بعض چیزیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے لیکر بیان کرنے کی ضرورت تھی۔اور مجھے کوئی دعویٰ نہیں کہ

دنیا کے ہر علم کو جان سکوں۔ اس کے برعکس مجھے اعتراف ہے کہ انجنیئرنگ کی مجھے الف ب بھی نہیں آتی' طب کی الف ب بھی مجھے نہیں آتی۔ ان حالات میں شاید میرے لئے موزون یہ ہو گا کہ آج رسول اکرم ﷺ کے دین کے متعلق کچھ چیزیں آپ سے بیان کروں۔

اسلام کے وہ تین عناصر
جو رسول اکرم ﷺ نے چنے

آپ میں سے ہر شخص واقف ہے' عقائد کیا ہیں؟ اللہ ایک ہے' محمد ﷺ اللہ کا بندہ اور اللہ کا رسول ہے۔ کچھ اس طرح کی چیزیں ہماری ضرورت ہیں' ہمارے واجبات میں سے ہیں۔ نماز روزہ حج زکواۃ میں سے ہیں۔ اس طرح کی چیزیں ہیں جن سے آپ میں سے ہر کوئی واقف ہے۔ لیکن واقفیت کے ساتھ ساتھ اگر ہمیں اس کے کچھ وجوہ اور اسباب بھی معلوم ہوں' تو ہماری عقیدت اور ہمارا ارتباط ان چیزوں سے بڑھ جائے۔ ان حالات میں اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ الفاظ اسلام کے ان تین عناصر کے متعلق بیان کروں گا' جو خود رسول اکرم ﷺ نے چنے اور بتایا کہ اسلام کے معنی تین چیزیں ہیں' وہ ایک مشہور حدیث ہے' جس کا ذکر امام بخاری' امام مسلم وغیرہ بہت سے محدثوں نے کیا ہے' اور دلچسپ انداز میں' لکھا ہے کہ ایک دن حضور ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے' ایک شخص جس کا لباس انتہائی سفید تھا' جس کے سر کے بال انتہائی سیاہ تھے' اسے ہم میں سے کوئی شخص نہیں جانتا تھا۔ کون ہے؟ کس مقام کا ہے؟ کس قبیلے کا ہے؟ وہ بڑھتے ہوئے مسجد کے اندر آیا۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھا' رانوں سے رانیں ملا کر۔ اور پھر اس کے بعد کہا' اے محمد! ﷺ اسلام کیا چیز ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے جواب دیا' اس جواب پر اس نے کہا ٹھیک کہتے ہو۔ سارے صحابہؓ حیرت زدہ ہیں کہ یہ شخص کون ہے؟ پوچھتا بھی ہے اور اس کی تائید بھی کرتا ہے۔ پھر دوسرا سوال کیا' اسلام کیا چیز ہے؟ ایمان کیا چیز ہے؟ اور پھر احسان کیا چیز ہے؟ یہ تین چیزیں پوچھیں' حضور ﷺ نے تینوں کا جواب دیا۔ پھر اس کے بعد وہ شخص اٹھا اور روانہ ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ بھی اس کو نہیں پہچانتے ہیں۔ چنانچہ اشارہ کیا دیکھو تو یہ کون شخص ہے؟ بعض صحابہؓ پیچھے دوڑے اور آ کر ایک منٹ کے

بعد کہنے لگے : حضور ﷺ ! معلوم نہیں کہ آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی' کچھ پتا نہیں' کہاں گیا؟ کون ہے؟ دو روایتیں ملتی ہیں' اس کے آخری حصہ کے سلسلے میں۔ ایک روایت میں ابن حنبل نے لکھا ہے کہ اسی وقت حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ' دوسری روایت میں ہے کہ چند دن کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ جبرئیل علیہ السلام تھا فرشتہ' تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لیے آیا تھا۔ یہ ہے وہ حدیث جس کی میں کچھ شرح آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں' اگر آپ اجازت دیں۔

پہلا سوال تھا کہ ایمان کیا چیز ہے؟

پہلا سوال تھا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا : اللہ جل جلالہ کو ایک ماننا' اس کے بعد فرشتوں کے وجود کو ماننا' اگرچہ ہم انہیں دیکھتے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتابوں کو ماننا' اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبیوں' پیغمبروں علیہم السلام کو ماننا۔ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی جو ہونے والی ہے' اس پر ایمان لانا اور اس بات کو ماننا کہ ہر بھلائی' برائی سب خدا ہی کی مقدر کردہ ہوتی ہے۔ چیز معمولی ہے' آپ اس سے واقف ہیں' لیکن ذرا اس پر غور کیجیے کہ کم از کم میرے لئے اس میں ایسی چیزیں ملتی ہیں جن پر مجھے فخر ہوتا ہے کہ ہمارے دل میں اس چیز کا یقین ہے۔ اللہ اور رسول کے سلسلہ میں' تو میں زیادہ آپ سے بیان کرنا نہیں چاہتا۔ پھر بھی یہ امر قابل ذکر ہے کہ خدا جسے ہم دیکھ نہیں سکتے ہیں' لیکن جس کا ماننا ہمارے لئے اس لئے ضروری ہے کہ وہ ایک واجب الوجود ذات ہے۔ اس کے وجود کو مانے بغیر کسی گتھی کو ہم حل نہیں کر سکتے۔ اس کا تصور اسلام میں جتنے لطیف اور مفید انداز میں کیا گیا ہے' کسی اور مذہب میں نہیں ملتا۔ مثال کے طور پر دنیا کا ایک بہت بڑا مذہب ہے عیسائیت' عیسائی بھی اللہ کو ایک مانتے ہیں۔ لیکن اس طرح مانتے ہیں کہ خود عیسائیوں کو بھی نہیں معلوم کہ اس کی کیا حقیقت ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ خدا ایک' تثلیث کا مجموعہ ہے' باپ اور بیٹا اور روح القدس' اور یہ تینوں مل کر ایک بنتے ہیں۔ یہ عجیب و غریب تصور ہے جسکو میرا ذاتی تجربہ ہے کہ یورپ میں خود عیسائی بھی نہیں سمجھتے۔ میری تعلیم جرمنی اور فرانس میں ہوئی۔ اور میرے ہم جماعت طلباء نے بھی میرے سامنے اعتراف کیا کہ ہم اسے مانتے ہیں' لیکن ہم اس کی کوئی تصدیق نہیں کر سکتے کیونکہ ہمیں سمجھ

میں نہیں آتا۔

لا الہ الااللہ نفی کامل اور صرف واحد استثناء

اس کے بر خلاف اسلام اس کی جو تفصیل بیان دیتا ہے وہ اتنی ہے کہ غیر مسلم بھی' عیسائی بھی' یہودی بھی اور دیگر اقوام کے لوگ بھی کہتے ہیں کہ اس سے بہتر خدا کے وجود کی' خدا کے وحدانیت کی کوئی اور تعبیر ہو نہیں سکتی۔ کیونکہ اس میں کہا گیا ہے کہ خدا کا کوئی وجود نہیں بجز خدا کی ذات کے۔ لا الہ الااللہ نفی کامل اور صرف واحد استثناء۔ اس سے زیادہ پر زور طور سے اس حقیقت کو بیان کرنے کا کوئی امکان نہیں۔ یہ ذرا سا غیر ضروری اور غیر متعلقہ چیز ہے' میں اس پر زور نہیں دیتا۔ لیکن چونکہ خدا کی ذات ہمارے ادراک سے ماوراء ہے' تو اس کا وجود ہے۔ اور بندوں کی حیثیت سے ہم پر واجب ہے کہ اس کے احکام کی تعمیل کریں۔

کیسے ہم معلوم کریں کہ خدا کی یہ مرضی ہے، وہ ہمیں نظر نہیں آتا؟

تو ایک منطقی سوال پیدا ہو گا کہ کیسے ہم معلوم کریں کہ خدا کی یہ مرضی ہے' وہ ہمیں نظر نہیں آتا؟ اس کا حل اگر خود خدا نہ کرتا تو ہمارے پاس کوئی طریقہ اس کا' اور کوئی حل نہیں تھا۔ چنانچہ خدا نے خود ہی اس کا حل پیدا کیا کہ ایک اور مخلوق پیدا کی فرشتوں کی' جو خدا کے احکام کو حاصل کرنے کی صلاحیت انسانوں سے زیادہ رکھتے ہیں' اور ان میں یہ بھی صلاحیت ہے کہ یہ انسانوں سے قربت پیدا کریں' اور خدا کے پیغام کو انسان تک پہنچانے کا واسطہ اور ذریعہ بنیں۔ چنانچہ اسی لئے کہا گیا ہے" آمنت باللہ وملائکتہ " اللہ پر ایمان لاتا ہوں' اور اللہ کے فرشتوں پر بھی میں ایمان لاتا ہوں۔

یہ وسعت قلبی ہمیں کسی اور مذہب میں نظر نہیں آتی

اس کے بعد کی چیزیں میرے لیے بہت زیادہ ولولہ انگیز ہیں' اس کے الفاظ ہیں'"وکتبہ ورسلہ "میں اللہ کی کتابوں پر بھی ایمان لاتا ہوں اور اللہ جل جلالہ کے

رسولوں پر بھی ایمان لاتا ہوں۔ ذرا غور فرمایئے اگر "میں اللہ کی کتاب پر بھی ایمان لاتا ہوں" کا لفظ ہوتا' تو صرف قرآن مجید ہوتا' مگر یہاں پر لفظ ہے" کتبہ "اللہ تعالی کی ساری کتابوں پر' حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر قرآن مجید تک جتنی کتابیں نازل ہوئیں' وہ سب میری کتابیں ہیں' وہ سب میرے لئے واجب التعظیم ہیں۔ اس وسعت قلبی کا مظاہرہ دنیا کے کسی اور مذہب میں نہیں ملے گا۔ ہر مذہب کہتا ہے کہ میرا مذہب ہی آخری لفظ ہے۔ حقیقت اور حقانیت کے متعلق ہے۔ لیکن اسلام کی وسعت قلبی ہے کہ کہتا ہے کہ نہیں! خدا نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے اور سب کے سب بر حق تھے۔ سب کے سب اللہ پاک کا پیغام لاتے تھے اور وہ ہمیشہ کے لئے ہیں۔ اس معنی میں کہ خدا کا حکم جب تک خود خدا منسوخ نہ کرے' واجب العمل رہتا ہے۔ چنانچہ اگر فرض کیجئے اگر آج آدم علیہ السلام کی کتاب دنیا میں محفوظ ہوتی اور اس کے چند اجزاء کو قرآن میں منسوخ نہ کیا ہوتا' تو آدم علیہ السلام کی کتاب آج بھی ہمارے لیے واجب التعمیل ہوتی۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس کی طرف اشارہ ہے کوئی بیس پچیس پیغمبروں کے نام لے کر: اولا نک الذین ھدی اللہ فبھداہم اقتدہ : یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ ہی نے ہدایت دی تھی' اے محمد ﷺ تو ان کی رہنمائی کی پیروی کر' ان کی ہدایت کی پیروی کر۔ یہ وسعت قلبی سارے پیغمبروں کو ماننے یھودیوں کے پیغمبروں کو بھی' عیسائیوں کے پیغمبروں کو بھی' ہندوؤں کے پیغمبروں کو بھی' اگر ہوئے ہوں وغیرہ وغیرہ۔ یہ وسعت قلبی ہمیں کسی اور مذہب میں نظر نہیں آتی' اور یقیناً آپ سب بھی متفق ہونگے کہ مسلمانوں کے لیے قابل فخر چیز ہے۔ یہی حال اس کے بعد کے جزء "رسلہ" پر ہے۔ اگر صرف رسولہ ہوتا' میں ایمان لاتا ہوں اللہ کے رسول پر' تو اس سے مراد صرف ایک شخص ہوتے' حضرت رسول اکرم ﷺ وہاں الفاظ ہیں رسلہ سارے پیغمبر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر جو آئے تھے' وہ سب میرے ہی نبی ہیں' میرے لیے ان کی عزت' ان پر ایمان لانا واجب ہے' وہ ایک ہی چیز ہے' تقریباً کتبہ و رسلہ

لیکن یہ شوق دلانے والی چیز بھی اسلامی قانون میں موجود ہے

اسی طرح "یوم آخر" کا ذکر جو کہ اس آمنت میں آیا ہے' وہ بھی بڑی اہم چیز ہے

نفسیاتی نکتہء نظر سے' اور قانونی نقطہء نظر سے۔ اگر صرف حکم دیا جائے اور اس کی تعمیل کے لیے کوئی سینکشن کوئی تہدید نہ پیدا کی جائے' تو انسان جیسی سر پھری مخلوق شاید اس کی تعمیل نہ کرے۔ اس لئے یہ کہا گیا ہے کہ مرنے کے بعد تم سے تمہارا احساب کتاب لیا جائے گا ۔ وہاں دو نقطے دلچسپ ہیں' اگر تم نے برائیاں کی ہیں' تو تمہیں سزا دی جائے گی' عین معقول بات ہے' اور اگر عام حالتوں میں جزا ملے گی کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔ میں اللہ کا بندہ ہوں' اللہ میرا مالک ہے' مالک مجھے جو حکم دے اسی کی تعمیل مجھے کرنی چاہیے' اور میں کسی Thank you یا شکریہ کا مکلّف نہیں ہوں' کیونکہ میں اس کا بندہ ہوں۔ لیکن ہمارے پروردگار نے کہا کہ تم کو' اگر اچھا کام کرو تو ایک معاوضہ بھی دیا جائے گا' اور وہ معاوضہ کیا ہوگا؟ یہ ایک چیز ہے۔ لیکن یہ شوق دلانے والی چیز بھی اسلامی قانون میں موجود ہے' اور تہدید (دھمکی) بھی' کہ اگر برے کام کرو گے' تو تمہیں اس کی سزا ملے گی۔

ایک دن اللہ تعالی نے ایک امانت مخلوقات کے سامنے پیش کی!

ایک اور اہم چیز ہے تقدیر ہے' جو آمنت میں بیان کی گئی ہے کہ یہ بھلائی اور برائی سب خدا کی تقدیر ہے' ذرہ پیچیدہ مسئلہ ہے' میں کوشش کروں گا کہ کسی قدر قابل فہم انداز میں' میرے اپنے حقیقی آراء کے سلسلہ میں آپ سے بیان کروں۔ قرآن مجید میں ایک جگہ ذکر ہے کہ کائنات کی تخلیق سے بھی پہلے' ایک دن اللہ تعالی نے ایک امانت مخلوقات کے سامنے پیش کی۔ کائنات کے سامنے' زمین' آسمان' پہاڑ' درخت' جانور' سبھوں کے سامنے۔ اور کہا اسے قبول کرنے کے لئے کون تیار ہے؟ ظاہر ہے کہ ہر شخص نے خواہش کی ہوگی' ہر مخلوق نے چاہا ہوگا' کہ یہ عزت اسے عطا ہو۔ بہت سے لوگ تھے' اور چیز ایک ہی شخص کو دی جاتی تھی' تو غالباً انہوں نے پوچھا ہوگا کہ کیا شرطیں ہیں؟ اے پروردگار! شرائط سن کر سارے ہی امانت کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کے الفاظ ہیں" انسان جو ظالم و جاہل تھا اسی نے اسے قبول کرنا چاہا' انه كان ظلوما جهولا۔ وہ امانت کیا ہے؟ ابھی میں نے آپ سے ذکر کیا تقدیر خدا کرے اور ذمہ داری انسان پر۔ بظاہر ایک ظالمانہ چیز معلوم ہوتی ہے' مگر انسان حقیقت میں اتنا جاہل اور بے وقوف نہیں تھا جیسا کہ

ہمیں نظر آتا ہے۔ اس نے یقیناً سوچا ہوگا کہ خدا ظلم نہیں کر سکتا' ڈرایا ضرور ہے' اور دھمکایا ضرور ہے' لیکن وہ ظالم نہیں ہے۔ اور یقیناً وہ مجھے اس چیز کی سزا نہیں دے گا' جس کا میں مستحق نہیں ہوں' لہٰذا قبول کر لیا۔ چنانچہ یہ ہے خلافۃ اللہ' جو انسان کو عطا کی گئی تھی۔ اور چونکہ ہم پہلے ہی قبول کر چکے ہیں' تقدیر خدا پر ہے اور ہم اس کے ذمہ دار سمجھے جائیں بطور خلیفۃ اللہ کے۔ ان حالات میں اگر ہم اپنے آپ کو مخاطب کر کے پوچھیں' کہ گناہ میں کرتا ہوں جو پہلے سے مقدر ہو چکا ہے' تو پھر مجھے سزا کیوں دی جاتی ہے؟ ہم خود قبول کر چکے ہیں کیسے مکر سکتے ہیں۔ یہ پہلا جزء ہے۔

دوسرا سوال اسلام کیا چیز ہے؟

دوسرا جزء جو اس حدیث میں آیا ہے' وہ اسلام کے متعلق ہے' جبرئیل علیہ السلام نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا کہ اسلام کیا چیز ہے؟ تو حضور ﷺ پانچ چیزوں کا ذکر فرماتے ہیں' پہلی چیز یہ ہے کہ خدا کے ایک ہونے اور میرے پیغمبر ہونے کی شہادت دی جائے۔ دوسری چیز نماز' تیسری چیز روزہ' چوتھی چیز حج' اور آخری چیز زکواۃ۔ دوسرے الفاظ میں شہادت لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایک چھت ہے' جو چار ستونوں پر کھڑی ہے' ایک ستون نماز ہے' دوسرا ستون روزہ ہے' تیسرا ستون حج ہے' چوتھا ستون زکواۃ ہے' بہت اچھی تشبیہ دی گئی ہے۔

ہماری نماز بڑی مشکل ہے ضرور، لیکن کیا اس میں فائدہ ہے؟

ذرہ اس پر ہم غور کریں' نماز اور قوموں میں بھی ہے' اور مذہبوں میں بھی پائی جاتی ہے' اور اسلام میں بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن اسلام میں ذرہ مشکل ہے' روزانہ پانچ وقتوں کی نمازیں پڑھنا اتنا آسان نہیں' جتنا عیسائیوں کی نماز ہے۔ ہفتے میں ایک دن گرجا جائیں' اب تو گرجا جانے کی بھی ضرورت نہیں رہی' گھر میں ریڈیو کو کھول لیں اور گرجا کے اندر جو نشر ہوتا ہے' اس کی آواز سن لیں فرض کفایہ ہے۔ اس کے مقابلے میں ہماری نماز بڑی مشکل ہے ضرور' لیکن کیا اس میں فائدہ ہے؟ دیکھنا یہ چاہیے۔ اس میں ذرا غور کیجئے' میں بڑا متاثر ہوتا ہوں' جب اس چیز پر غور کرتا ہوں' ایک دن میں قرآن مجید کی ایک آیت پڑھ رہا

تھا تلاوت کے سلسلہ میں' جو یہ ہے "کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا کے سامنے سجدہ کرتے ہیں چاند اور سورج اور ستارے اور پہاڑ اور درندے اور درخت اور بہت سے انسان "میں حیرت زدہ ہو گیا' کہ بھلا درخت اور پہاڑ اور ستارے وغیرہ جن کا ذکر آیا وہ سجدہ کیسے کر سکتے ہیں؟ سجدہ سے ہم واقف ہیں کہ سر زمین پر رکھیں۔ غور کرتا رہا بالآخر ایک جواب ذہن میں آیا جس سے کم از کم میری تشفی ہو گئی' وہی میں آپ کے سامنے عرض کر رہا ہوں' وہ یہ ہے کہ نماز ہے عبادت' عبادت کے معنی ہیں عبد کا اور غلام کا فریضہ' غلام کا فریضہ کیا ہے؟ جو آقا حکم دے۔ اگر آقا حکم دے کہ یہاں خاموش کھڑے رہو' انتظار کرو' وہ اس کی عبادت ہے۔ آقا حکم دے کہ یہ خط لے جاؤ اور پوسٹ بکس میں ڈالو' وہ جاتا ہے تو یہ اس کی عبادت ہے یعنی جس کو آقا جو حکم دے اس کی تعمیل میں' اس کی عبادت ہے۔ اس توجیہ کے اس پس منظر کی روشنی میں غور فرمایئے! اگر خدا کسی مخلوق کو حکم دیتا ہے کہ چپ کھڑے رہو اور وہ حرکت نہیں کرتا یہ ہے اس کی عبادت۔ کسی مخلوق کو خدا حکم دیتا ہے کہ جھکے ہوئے رہو یہ اس کی عبادت ہے۔ کسی کو اور حکم دے۔ اور جس کو جو حکم دے وہ تعمیل کرے وہ اس کی عبادت ہے۔ جیسے ہی یہ خیال میرے ذہن میں آیا' ایک انکشاف ہوا میں نے دیکھا کہ کائنات تین چیزوں پر مشتمل ہے جمادات' نباتات' حیوانات۔

کائنات تین چیزوں پر مشتمل ہے:

جمادات ، نباتات ، حیوانات

جمادات کیا کرتے ہیں؟ وہ حرکت نہیں کر سکتے' چپ کھڑے رہتے ہیں اور ان کی ایک مثال پہاڑ ہیں' پہاڑ کا یہ فریضہ خدا نے مقرر کر لیا کہ چپ کھڑے رہیں۔ اگر پہاڑ اس کی تعمیل نہ کرے تو نافرمانی ہو گی' خدا اس کو سزا دے گا۔ پہاڑ کا کام ہی یہ ہے کہ وہ چپ کھڑے رہیں' یہ عنصر یعنی جمادات کی عبادت' اسلامی عبادت کے اندر میں شامل ہو رہی ہے۔ خدا نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ قوموا للہ قانتین' نماز کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے چپ چاپ کھڑے رہو۔ چنانچہ نماز کا جو پہلا جز ہم انجام دیتے ہیں' وہ کھڑے رہنا یہ جمادات کے طریقہء عبادت کا ہماری نماز میں سمو دیا جانا ہے۔

دوسری مخلوق: یہ ہے حیوانات

دوسری مخلوق : یہ ہیں حیوانات اگر آپ نے غور نہیں کیا تو اب غور کیجیے! سارے حیوانات چاہے وہ چوپائے ہوں، یا پرندے ہوں، یا رینگنے والے ہوں، سب کے سب دائماً رکوع کی حالت میں ہیں۔ سر جھکائے ہوئے رہتے ہیں، چوبیس گھنٹے، یہ ہے ان کی عبادت۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کی نماز کے سلسلہ میں بھی ان کو یہی حکم دیا ہے کہ "وارکعوا مع الراکعین" اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ تم بھی رکوع کیا کرو۔ یہ ہماری نماز کا دوسرا جز ہے۔

تیسری قسم ہے، کائنات میں نباتات

پودوں کے لیے نباتات کو، جو تیسری قسم ہے، کائنات میں، ان کی جڑیں، ان کا ملنا ہے۔ یعنی جڑوں سے وہ اپنی غذا حاصل کرتے ہیں، ان کے منہ کہاں رہتے ہیں؟ سدا زمین پر سجدہ کیے ہوئے کی حالت میں۔ گویا درخت ہمیشہ سجدہ کی حالت میں رہتے ہیں چوبیس گھنٹہ۔ یہ بھی ہماری عبادت میں خدا جل شانہ نے شامل کیا ہے، حکم دیا ہے کہ اللہ کے سامنے سجدہ کرو۔ دوسرے الفاظ میں ساری کائنات کی عبادتیں ایک مجموعی صورت میں اسلامی عبادت کے اندر شامل ہیں۔ اگر صرف اتنا ہی ہوتا تو بھی ہمارے لئے فخر کا باعث ہوتا، کہ ساری کائنات کے طریقہء عبادت کو نماز کے اندر شامل کیا گیا۔ لیکن ذرا خلش رہتی پھر بھی کہ اس میں خالص انسانی عنصر تو کوئی نہیں ہے، جمادات نباتات اور حیوانات کی چیزیں تو ہیں، لیکن خصوصی امتیازی چیز نوع بشری کی اس میں نہیں پائی جاتی، کوئی بھی نہیں ہے۔ دوسرے الفاظ میں کہنا چاہتا ہوں دنیا کے جتنے بڑے مذہب پائے جاتیں ہیں ان کی اصل الہامی رہی ہے۔ ان کے طریقہ عبادت کو بھی اسلامی عبادت کے اندر میں شامل کر دیا گیا، جو جمادات، نباتات، حیوانات کی نہیں، انسانوں کی عبادت کا طریقہ ہے۔

مجوس، وہ کیا کرتے ہیں؟ وہ آگ کی پوجا کرتے ہیں

اگر آپ اجازت دیں تو میں کہونگا کہ پارسیوں کے مذہب کو لیجیے۔ اگرچہ قرآن مجید میں پارسی مذہب کے نبی کا نام نہیں آیا ہے، لیکن ان کے مذہب کا نام آیا ہے مجوس۔ وہ کیا کرتے ہیں؟ وہ آگ کی پوجا کرتے ہیں۔ بظاہر ایک بے معنی سی بات ہے کہ

آگ کی پوجا کریں جو ہماری اپنی مخلوق ہے' اسے اپنا خالق بنائیں' ٹھیک نہیں ہے۔ لیکن ذرا غور کیجئے کسی کی تعریف دو طرح کی ہوتی ہے۔ آپ مثلاً پینٹر ہیں' میں کہوں کہ واہ! کتنے آپ ماہر پینٹر ہیں' آپ خوش ہو جاتے ہیں۔ لیکن ایک طریقہ ہوتا ہے میں آپ کو نہیں جانتا' آپ سے مخاطب بھی نہیں ہوتا' لیکن آپ کی بنائی ہوئی تصویر کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہوں واہ! کیا تصویر ہے.' تو پینٹر صاحب اس سے بھی خوش ہو جائیں گے' سمجھیں گے کہ میری تعریف ہو رہی ہے۔ دوسرے الفاظ میں خدا کی تعریف ہمارا فریضہ ہے' اسے ہم براہ راست بھی کر سکتے ہیں' بالواسطہ بھی کر سکتے ہیں۔ پارسیوں کے مذہب میں یہ سوچا گیا کہ خدا کی مخلوق میں وہ چیز جو سب سے زیادہ خدا کی قدرت اور قوت کا مظاہرہ کرتی ہو' وہ آگ ہے۔ اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکا' اور جو اس کے پاس جاتا ہے جل کر بھسم ہو کر ختم ہو جاتا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ آگ کا پیدا کرنے والا ہی ہمارا خالق ہے' اور بعد میں بگڑ کر یہ ابتدائی تصور ختم ہو گیا۔ جو اور لوگ آگ کی پوجا کرنے لگے' دوسرے الفاظ میں' اگر یہ کہیں کہ خدا کی حمد و ثنا کرنی چاہیے عبادت میں۔

یہ چیز ہندوؤں کے یہاں گائے کی صورت میں ہے

یہ چیز فارسیوں کے یہاں آگ کی صورت میں ہے' ہندوں کے یہاں گائے کی صورت میں ہے' اور مذہبوں میں اور طریقہ سے آئی ہے۔ یہ ہماری سورۃ فاتحہ کے اندر خدا کی حمد و ثنا کا ایک بہترین طریقہ ہے' وہ اس کی تعریف کرتا ہے۔ ہندوں کی گائے پرستی پر شاید آپ کو تعجب ہو' میں سمجھتا ہوں اس کی تعریف بھی یہی کی جا سکتی ہے۔ ہندوں نے آج سے ہزارہا سال پہلے دیکھا' ان کے آسپاس جو خدا کی مخلوق ہے' اس میں جو سب سے زیادہ مفید چیز انسان کے لئے ہے' وہ گائے ہے' اس کا دودھ ہم پیتے ہیں' اس کا گوشت ہم کھا سکتے ہیں' اس کے چمڑے سے ہم جوتے بنا سکتے ہیں' وہ سراپا انسان کے لیے مفید چیز ہے۔ دوسرے الفاظ میں خدا کی سب سے بڑی نعمت کا ہم وعدہ لے کر بیٹھے ہیں' اس نعمت کا ہمیں دینے والا جو ہے' وہ ہمارا خالق ہے۔

یہودی!!! کس طرح نماز پڑھتے ہیں

ایک اور مذہب لیجئے یہودیوں کا! یہودیوں کے مذہب میں غالباً آپ کو کبھی موقع نہیں ملا ہوگا کہ ان کے عبادت گاہ میں جائیں، اور دیکھیں کہ کس طرح نماز پڑھتے ہیں۔ میں مختصراً عرض کرتا ہوں۔ ان کے یہاں رکوع سجود وغیرہ کچھ بھی نہیں، ان کا امام عبادت گاہ کے اندر آتا ہے، اس کے ہاتھ میں توریت کا ایک نسخہ ہوتا ہے، سب لوگ، مرد، عورت ادب کے ساتھ کھڑے رہتے ہیں، اور وہ اس کی تلاوت شروع کرتا ہے، ایک گھنٹہ، دو گھنٹہ، طویل عرصہ تک توریت کے اجزاء کی وہ تلاوت کرتا ہے۔ اس سے جب فارغ ہوتا ہے، نماز بھی ختم ہو جاتی ہے، لوگ چلے جاتے ہیں۔ بظاہر معمولی چیز نظر آتی ہے لیکن غور کیجئے! وہ بھی بڑی معنی خیز چیز ہے۔ وہ یہ کہ جو یہودی توریت کو کلام اللہ کہتے ہیں یعنی اللہ کا کلام، اس کے کیا معنی ہوتے ہیں؟ اللہ ہمیں نظر نہیں آتا، لیکن وہ ہے ضرور۔ اس کے معنی یہ نہیں ہے کہ اللہ غیر محدود ہے، بلکہ یہ کہ ہم اندھے ہیں، اور خدا موجود ہے، کسی اندھے کو جو اپنے محبوب کی طرف جانا چاہتا ہے، اسے محبت رکھتا ہے، محبوب کے پاس جانے کا راستہ کیسے بتایا جائے؟ وہ ہے اندھا، یہ صرف کلام کے ذریعے سے ہو سکتا ہے۔ ایک اندھے کو دور سے کہا جائے گا، آگے بڑھو، سیدھے طرف مڑو، بائیں طرف مڑو، ٹھہر جاؤ، فلاں چیز سے اجتناب کرو، فلاں چیز پر عمل کرو۔ یہ ہے وہ طریقہ، جس کے ذریعہ سے محبوب دور سے اپنے عاشق کو اپنی طرف بلانے کا راستہ بتا سکتا ہے، یہ ہے کلام اللہ۔ کلام اللہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ہم کو وہ راستہ بتاتا ہے، جس کے ذریعہ ہم اللہ تک جا سکتے ہیں۔ اسلامی عبادت میں بھی آپ دیکھیں گے کہ ہم کلام اللہ ہی پڑھتے ہیں، قرآن مجید کی سورتوں کی تلاوت کرتے ہیں۔ گویا یہود کی طرح عیسائی عبادت کا بھی، اسلامی عبادت کے طریقہء عبادت کے اندر ایک عنصر لے لیا گیا ہے۔ عیسائیوں کی عبادت، معلوم نہیں آپ لوگوں میں سے کبھی گرجا جا کر اس کو دیکھنے کا موقع پایا ہے یا نہیں؟

عیسائی عبادت کا بھی،
اسلامی عبادت کے طریقہ عبادت کے اندر ایک عنصر

مختصراً میں عرض کرتا ہوں، خاص کر رومن کیتھلک لوگوں کے یہاں، ایک تو وہ اسی چیز پر عمل کرتے ہیں جو یہودی کتاب اللہ، کلام اللہ کو پڑھتے ہیں۔ بجائے توریت کے وہ انجیل کو پڑھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کی الہام کردہ کتاب ہے، خدا کا کلام ہے، لیکن اس پر ایک مزید چیز کا اضافہ کرتے ہیں، جس کا وہ نام لیتے ہیں "کمیونین" اس انگریزی لفظ کے معنی ہیں: کسی چیز کا ایک دوسری چیز کے ساتھ مل کر ایک ہو جانا۔ اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ انسان خدا کی ذات میں ضم ہو جائے، اللہ کے ساتھ مل کر اللہ ہی ہو جائے۔ سینگ پاؤل کے الفاظ ہیں کہ خدا کی الاہیت میں حصہ لینا، یہ ہے مقصود۔ اسے کس طرح کرتے ہیں روٹی کے کچھ ٹکڑے کھا کر اور شراب کے چند گھونٹ پی کر۔ آپ حیران ہونگے کہ اس کو عبادت سے کیا تعلق ہے؟ اور خدا کے اندر جو ضم ہونے کا جو مقولہ ہے، وہ کیسے انجام پاتا ہے۔ یہ سیدھی سادھی بات ہے، یہ چیز مبنی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے ایک آخری واقعہ پر، جو دنیا میں پیش آیا۔ انہیں صبح کو سولی پر چڑھایا جانے والا تھا، صلیب پر چڑھایا جانے والا تھا، رات کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں، بے حد متاثر ہیں، اور لکھا ہے کہ روٹی کا ایک ٹکڑا اٹھا کر بڑھاتے ہیں اپنے ہمراہی گویا مہمانوں کو دیکر کہتے ہیں کھاؤ یہ میرا جسم ہے، پھر ایک گلاس اٹھا کر ان کی طرف بڑھاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ پیو! یہ میرا خون ہے۔ انجیل کی بیان کردہ چیز ہے، اور عیسائیوں کے لیے انتہائی اہمیت رکھنے والی روحانی چیز ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم بھی عبادت کے بعد جس روٹی پر دعا پڑھی گئی ہے، اور جس شراب گلاس پر دعا پڑھی گئی ہے، اس روٹی کو کھائیں، اس شراب کو پئیں، تو ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خون یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اتصال پیدا کریں گے۔ یہ ہے ان کا تصور اور عبادت کا پس منظر۔ دوسرے الفاظ میں خدا سے تقرب حاصل کرنا اور خدا بن جانا تو ناممکن چیز ہے، لیکن خدا سے تقرب پیدا کرنا یہ ہے عیسائی عبادت کا ایک مقصد۔ یہ چیز اسلام میں بھی پائی جاتی ہے، اور وہ ہے ہمارے التحیات میں، جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم اور خون کو ان کے آخری سفر سے لیا گیا ہے، التحیات بھی مسلمانوں کے پیغمبروں کے معراج سے لیا گیا ہے، آپ کو

معلوم ہوگا کہ حضور اکرم ﷺ آسمان پر تشریف لے گئے' خدا کے حضور میں آپ کو پیش ہونے کا موقع ملا۔

چھوٹے کا فریضہ ہے کہ بڑے کو سلام کرے، بڑا پھر اس کو جواب دیتا ہے!

تو جس طرح انسانی سماج میں معاشرے میں ہوتا ہے کہ چھوٹے کا فریضہ ہے کہ بڑے کو سلام کرے' بڑا پھر اس کو جواب دیتا ہے۔ چنانچہ جیسے ہی آپ ﷺ حظیرۃ القدس میں پہنچے آپ ﷺ نے کہا التحیات للہ میرے آداب میرے تسلیمات اللہ کی خدمت میں پیش ہیں' اس پر اللہ کا جواب محبت کے ساتھ آتا ہے کہ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ، حضور اقدس ﷺ اگر چاہتے تو اسے خود اپنے لئے مخصوص کر دیتے کہ آپ ہی کو جواب دیا گیا تھا' لیکن ہم گنہگار اور افراد امت آپکو بھولے نہیں ہیں' آپ چاہتے ہیں کہ ہم بھی اس سے استفادہ کریں چنانچہ فوراً آپ ﷺ جواب دیتے ہیں السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین، سلامتی ہم پر بھی اور ان سارے اللہ کے بندوں پر بھی جو نیک ہیں۔ اس چیز کو مسلمانوں نے اپنی عبادت کے اندر شامل کر لیا' خدا کے ساتھ تقرب حاصل کرنے اور نمونہ کے طور پر' کیونکہ سلام تب ہوتا ہے جب دو آمنے سامنے ہوں۔ ہم اللہ کو 'التحیات للہ' کہتے ہیں تو تصور یہ ہے کہ اللہ موجود ہے' جو اپنی مہربانی سے ہمیں اپنے حضور قبول کرتا ہے۔ یہ ہے اسلامی عبادت نماز' جس کے عناصر ہمیں بتاتے ہیں' جو دوسری ساری کائنات کی عبادتوں پر افضلیت ۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے' میں ساری چیزیں بیان کئے بغیر چند الفاظ حج کے متعلق بیان کروں گا۔ اور پھر آخری چیز احسان کے متعلق بیان کر کے اسے ختم کرنے کی اجازت چاہوں گا۔

کسی اور مذہب میں حج جیسی چیز نہیں پائی جاتی!

حج کے متعلق' حج ایک سیاحت کی سی صورت ہے' لوگ جاتے ہیں ایک نئے مقام کو' اور جس طرح کسی اور مقام کی سیاحت کر کے اسے لطف اندوز ہوتے ہیں وہاں بھی جاتے ہیں ' لیکن اس کے رمزی معانی بے حد ہیں۔ اس پر غور فرمائیں آپ کو محسوس ہوگا کہ کسی اور مذہب میں ایسی چیز نہیں پائی جاتی۔ اللہ تعالیٰ کے بہت سے نام ہیں' اسماء اللہ الحسنیٰ'

ننانوے ناموں سے آپ واقف بھی ہیں۔ ننانوے اچھے ناموں میں سے دو نام جو سب سے زیادہ 'انسان اور اللہ کے تعلقات کی نمائندگی کرتے ہیں' وہ ہیں لفظ ملک : بادشاہ' اللہ بادشاہ ہے ہم اس کے غلام ہیں' جب ایک مرتبہ اس لفظ کو اختیار کر لیا گیا تو قرآن مجید میں الملک القدوس کہہ کر خدا کو بادشاہ قرار دیا ہے۔ تو اس کے نتائج کو بھی قبول کر لیں۔ بادشاہ کے پاس کیا ہوتا ہے؟ تخت ہوتا ہے' قرآن میں ایک جگہ آیا ہے کہ اللہ کا تخت عرش ہے۔ بادشاہ کے پاس اور کیا چیزیں ہوتی ہیں؟ فوجیں ہوتی ہیں' اس کا بھی ذکر ہے کہ اللہ کے پاس آسمان اور زمین کی فوجیں ہوتی ہیں۔ اس کا بھی ذکر ہے کہ اللہ کے پاس آسمان اور زمین کی فوجیں ہیں۔ اور کیا ہوتا ہے؟ خزانے ہوتے ہیں' اس کا بھی قرآن میں ذکر ہے کہ زمین اور آسمان کے خزانے اللہ ہی کے لیے ہیں۔ اور کیا ہوتا ہے؟ بادشاہ کے پاس ملک ہوتا ہے اس کا بھی ذکر ہے کہ زمینوں اور آسمانوں کا ملک اللہ ہی کے لئے ہے۔

حجر اسود زمین میں اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے!

جب کوئی ملک بہت وسیع ہو تو بادشاہ کے رہنے کے لیے پائے تخت کا ہونا ضروری ہے' اور پائے تخت کے لئے انگریزی لفظ ہے Meatropole اس کا لفظی معنی ہے شہروں کی ماں۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ یہی لفظ قرآن مجید میں بھی استعمال کیا "ام القری" شہر مکہ کے نام کے ایک نام کے طور پر۔ مکہ شہروں کی ماں ہے یعنی اس سلطنت کا پائے تخت۔ پائے تخت میں بادشاہ کے رہنے کے لئے ایک محل چاہیے۔ اس کا بھی قرآن میں ذکر ہے بیت اللہ الحرام' اللہ کا گھر۔ جب کوئی حکومت بادشاہانہ قسم کی ہوتی ہے' انسانی تعلیم بتاتی ہے کہ رعیت کے نمائندے اپنے گھروں سے نکل کر پائے تخت کو جاتے ہیں۔ بادشاہ کے محل کے سامنے حاصل آتے ہیں' اور بادشاہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنی اطاعت کا یقین دلاتے ہیں۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں تو نہیں ہے' لیکن حدیث میں آتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث' جس کی کم سے کم چھ صحابیوںؓ نے روایت کی ہے۔ اس کے الفاظ عجیب و غریب ہیں' وہ یہ ہیں کہ الحجر الاسود یمین اللہ فی الارض ' حجر اسود زمین میں اللہ کا دایاں ہاتھ ہے"۔ ظاہر تو حیرت ہوتی ہے' لیکن جب contex میں سیاق و سباق میں' میں نے ابھی آپ سے بیان کیا کہ اللہ جل جلالہ ایک بادشاہ ہے' اس کی ایک سلطنت ہے' اس کا ایک پائے تخت ہے'

اسکا محل ہے' اور اس کے پاس مطیع رعیت بیعت کرنے کے لئے آتی ہے۔ تو اللہ کے دائیں ہاتھ کی ضرورت ہے تاکہ لوگ بیعت کر سکیں۔ خدا ایک نظر نہ آنے والی ذات ہے' لہٰذا رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ حجر اسود اللہ کا دایاں ہاتھ ہے زمین پر زمین والوں کے لئے۔ چنانچہ ہمارے حاجی اس پر اپنا ہاتھ اس پر رکھتے ہیں' بوسہ دیتے ہیں' یہ بیعت دینے کا پرانا طریقہ ہے۔ ایک اور چیز! جب بادشاہ اپنی رعیت کی وفاداری پر مطمئن ہو جاتا ہے تو سب سے بڑا اعزاز عطا کر سکتا ہے اس مطیع اور قابل اعتماد رعیت کے لئے۔ وہ یہ ہے کہ اس کو اپنے گھر کا پاسبان مقرر کر دے' کیونکہ اس کے لفظی معنی یہ ہیں کہ بادشاہ کی ذات اور بادشاہ کا مال اس اس سنتری کے رحم و کرم پر ہونا چاہیے' یہ ہے طواف۔ جب حاجی اپنی بیعت کے ذریعے سے حجر اسود پر بوسہ دینے کی نیت سے اپنی اطاعت کا اپنے خلوص کا اللہ کو اطمینان دلاتا ہے تو اسے اجازت ملتی ہے کہ خدا کے گھر کی پاسبانی کرو' چوبیس گھنٹے اس کی اطاعت میں گھومتے رہو' انسان کے بس میں یہ نہیں ہے۔ لہٰذا سات طواف کو چن لیا گیا ہے' اور سات کا ہندسہ ایک رمز ہے ابدیت اور دوام کے لئے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی حج ایک معمولی ٹوئرسٹ قسم کا سفر اور سیاحت کا واقعہ نہیں ہے' بلکہ بہت عمیق روحانی رمزی معانی رکھتا ہے۔

تیسرا سوال ـــــ احسان کیا چیز ہے؟

میں آخری چیز کی طرف آتا ہوں یہ بہت کم وقت لیگا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا احسان کیا چیز ہے؟ یہ احسان وہی ہے' جسے ہم بعض وقت تصوف کا نام دیتے ہیں' بعض وقت طریقت کا' بعض وقت سلوک کا نام' بعض وقت کسی اور نام کے ذریعہ اس مقصود کو ادا کرتے ہیں۔ یعنی ہماری ایک روحانی زندگی کے پرکھنے کا طریقہ۔ اس کا جواب رسول اکرم ﷺ نے معجزانہ طور پر مختصر الفاظ میں دیا ہے کہ اس سے بہتر الفاظ میرے ذہن میں تو نہیں۔ وہ کیا تھا جواب؟ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں تو اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے' اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا' تو خدا تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس کے معنی کیا ہیں؟ خدا کے حضور کا تصور اپنے آپ میں اتنا ترقی Devlope کر لو مستحکم کر لو کہ واقعی اللہ ہمارے سامنے موجود ہے' ہماری ہر حرکت کو دیکھ

رہا ہے۔ پھر کیا یہ ممکن ہو گا کہ ہم اس کی نافرمانی کریں؟ کوئی گناہ کریں؟ آج بھی کسی دکان کا مالک اپنے ملازم کو جو سامان فروخت کرتا ہے' کچھ حکم دے' خود موجود رہے' اور دیکھے کہ یہ میرے حکم کی تعمیل کرتا ہے کہ نہیں۔ تو کس ملازم کی جرءت ہو گی کہ وہ ایک سیکنڈ کے لئے بھی غفلت کرے۔ اس طرح اگر خدا کے حضور کا تصور' اگر ہم اپنے آپ میں مستحکم کرلیں تو پھر یہ ناممکن ہے کہ خدا کی نافرمانی کریں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں' احسان کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے وجود کا تصور اپنے اندر پیدا کر کے' اسے Devlope (ترقی دو) کرو۔ یہ چند چیزیں تھیں' جو میرے ذہن میں آئی ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بہتر اور جامع تر تعریف اسلام کے دین کی اور نہیں ہو سکتی۔ اور ہمارے پیغمبر ﷺ نے جو چیزیں بیان فرمائی تھیں' اس کا اگر ہم مقابلہ کریں دوسرے مذہبوں کے اصول اور عناصر سے تو ہمیں اسلام کی فوقیت نظر آسکتی ہے۔ میں اس پر ختم کرتا ہوں میں اس پر اگر آپ میں سے کوئی سوال کرنا چاہتے ہیں' اور جناب صدر اجازت دیں' تو کر سکتے ہیں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ